فرضیت روزہ

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ [البقرة: ۱۸۵]

”رمضان کا مہینا وہ ہے جس میں قرآنِ مجید اُتارا گیا جو لوگوں کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے اور (جس میں) ہدایت کے اور حق وباطل کے درمیان تفریق کے واضح دلائل ہیں، پس جو تم میں سے اس مہینے کو پہنچ جائے اسے لازم ہے کہ وہ اس کے روزے رکھے، اور جو مریض ہو یا مسافر ہو تو (چھوٹے ہوئے روزے) بعد کے دنوں میں پورے کرنا ہوں گے، اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ آسانی کا معاملہ چاہتا ہے اور تمھارے ساتھ تنگی وسختی نہیں کرنا چاہتا، اور (روزوں کی) گنتی کو مکمل کرو اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو اس پر جو اُس نے تمھیں ہدایت دی ہے، شاید تم اس کا شکر ادا کرو۔“

رمضان المبارک میں کرنے کے کام

رمضان المبارک اللہ تعالیٰ کی رحمت، بخشش اور انعام کا مہینا ہے جس میں تھوڑی سی محنت وسعی کے ساتھ بندہ اپنا نام صائمین، ذاکرین اور مستغفرین کی فہرست میں لکھوا سکتا ہے۔ اگر ہم اپنی معاشرتی زندگی کا جائزہ لیں تو مہمانانِ گرامی قدر کی آمد سے قبل ہر قسم کی تیاری کی جاتی ہے۔ چونکہ رمضان المبارک ذی وقار مہینا ہے، اس کی میزبانی کرنا ہوگی۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ رمضان المبارک کی آمد پر ہمیں کون سے کام کرنے کی ضرورت ہے:

① ......**دعا**: ہمیں اپنی دیگر دعاؤں میں یہ دعا ضرور شامل کرنی چاہیے، اے اللہ! ہمیں ماہِ مقدس سے بھرپور فائدہ اٹھانے اور اس کی برکات سے بہرہ ور ہونے کی توفیق عطا فرما۔

② ......**طویل ملاقاتوں سے گریز**: رمضان المبارک میں بلاوجہ طویل ملاقاتوں سے گریز کرنا چاہیے۔

③ ......**حقوق کی ادائیگی**: حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پاس داری کرنا بہت ہی ضروری ہے۔ قطع تعلقی، قرض کی ادائیگی، ظلم وزیادتی سے بچنا چاہیے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ زندگی کا آخری رمضان ہو۔

④ ......**غرباء، فقراء اور مستحق لوگوں کے ساتھ تعاون**: آپ معاشرے میں اپنے دائیں وبائیں نظر دوڑائیں۔ جو لوگ بنیادی ضروریاتِ زندگی سے محروم ہیں لیکن وہ رمضان اور عید کو اچھا گزارنے کی تمنا و آرزو رکھتے ہیں، آدمی کو چاہیے کہ وہ ان پر دل کھول کر خرچ کرے تاکہ نیکی کی اصل روح کو حاصل کیا جا سکے۔

⑤ ......**نماز تراویح کا اہتمام**: کچھ لوگ تراویح کے لیے خود تو مسجد میں چلے جاتے ہیں لیکن خواتین کے مسجد میں جانے کو شجر ممنوع سمجھتے ہیں جب کہ شریعت میں اس کا ثبوت موجود ہے۔ اسی طرح قاری صاحبان کو بھی ٹھہر ٹھہر کر قراءت کرنی چاہیے تاکہ سامعین محظوظ ہوسکیں۔

⑥ ......**نیند کم کردیں**: رمضان المبارک کی آمد سے قبل ہی نیند میں کمی کر دینی چاہیے۔ رمضان المبارک کی گھڑیاں اتنی قیمتی ہیں کہ ایک مومن انھیں غفلت میں نہیں گزارتا۔ اگر اللہ کے قرب کی خاطر دنیا میں آرام کی گھڑیاں کم کرلیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ آخرت میں وہ آرام نصیب فرمائے گا جو دائمی ہوگا۔

⑦ ......**صحت کا خیال**: چونکہ ہم عموماً روزے رکھنے کے عادی نہیں ہوتے، اس لیے جب رمضان آتا ہے تو کچھ لوگ روزہ رکھ کر نقاہت محسوس کرتے ہیں اور صحیح طور پر عبادت نہیں کر پاتے، لہٰذا ایسے لوگوں کو اپنی غذا کو بہتر بنانا چاہیے تاکہ عبادت کا لطف اُٹھا سکیں۔

⑧ ......**خشوع کا اضافہ**: ویسے تو ہر نماز کو خشوع وخضوع اور ظاہری وباطنی آداب کے ساتھ مکمل طور پر ادا کرنا چاہیے لیکن رمضان المبارک میں بالخصوص اس چیز کا اہتمام کرنا چاہیے کیوں کہ اس مہینے میں نفل نماز کا ثواب فرض کے برابر اور ایک فرض کا ستر فرضوں کے برابر لکھا جاتا ہے۔

⑨ ......**اوقات کی تقسیم**: اپنی ذمہ داریوں میں مصروفیات کے مطابق، عبادت، ذکر واذکار اور تزکیہ نفس کے لیے اوقات کی تقسیم کر لینی چاہیے، تاکہ وقت کو ضائع ہونے سے بچایا جا سکے۔

⑩ ......**دوسروں کو دعوت دیں**: اپنے گھر والوں، محلے والوں اور دوست احباب کو بلا کر قرآن وحدیث کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کریں تاکہ نیکی کی فضا قائم ہو۔

(ابوبکر صدیق حسینوی)



بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

بانی: مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ

سرپرست: مولانا ابوبکر صدیق السلفی

مسلک اہلحدیث کا داعی و ترجمان

ہفت روزہ

الاعتصام

لاہور

یکے از مطبوعات دار الدعوۃ السلفیۃ

07 رمضان المبارک 1433ھ جمعۃ المبارک 27 جولائی تا 02 اگست 2012ء

شمارہ 30 جلد 64

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور

کرنٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال گنج برانچ لاہور

فون نمبر : 042-3735 4406

فیکس نمبر : 042-37229802

رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

بدل اشتراک

فی پرچہ	:	12/- روپے
سالانہ	:	500/- روپے
بیرونی ممالک سے	:	200/- ریال
		60/- ڈالر امریکی

پرنٹر: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

اداریہ

رمضان المبارک اور اس کے تقاضے

حافظ احمد شاکر

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ایک بار پھر رمضان المبارک نصیب فرما کر ہمیں توبہ وانابت اور استغفار ورجوع الی اللہ کی مہلت عطا کردی۔ جیسے ہر چیز کا ایک موسم ہوتا ہے ایسے ہی ہر موسم کی ایک عبادت ہوتی یا یوں کہہ لیں کہ ہر عبادت کے لیے ایک موسم بہار ہوتا ہے۔ جیسے حرم مکی کی عبادت طواف کرنا ہے، جمعۃ المبارک کا دن نفلی نماز اور درود شریف کثرت سے پڑھنے کا دن اور اس دن میں قبولیت دعا کی ایک گھڑی آتی ہے۔ علماء جس کو نماز عصر کے بعد بیان کرتے ہیں اسی طرح رمضان المبارک ہے تو روزہ رکھنے کا نام اور روزہ اپنے احکام وحدود کے ساتھ لیکن قرآنِ کریم چونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسی ماہ مبارک میں نازل فرمایا اس لیے رمضان المبارک کا قرآنِ مجید کے ساتھ ایک گہرا اور دائمی تعلق ہے۔ اس وجہ سے رمضان المبارک میں تلاوت قرآنِ مجید کا بہت اہتمام کرنا چاہیے۔ رمضان المبارک اور قرآنِ مجید کے تعلق کا اندازہ اس سے لگایئے کہ نبی ﷺ نے رمضان کے لیے ارشاد فرمایا کہ ''جس نے ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے روزے رکھے اس کے پہلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔'' بالکل یہی الفاظ آپ کے قیام رمضان کے لیے ہیں اور قیام میں قرآنِ مجید ہی پڑھا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''جس نے ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے (رمضان کی راتوں) قیام کیا اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کے پہلے سارے گناہ معاف فرمادے گا۔'' اس لیے رمضان المبارک میں تلاوت قرآن زیادہ سے زیادہ کرنی چاہیے۔ توفیق عمل سے محروم ایک طبقہ یہ شدنی چھوڑتا ہے کہ جناب جب تک قرآنِ مجید کے معانی کا علم نہ ہو تو اس کے پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں، احادیث کی رو سے ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ایک سراسر شیطانی مغالطہ ہے۔ اس لیے کہ نبی ﷺ نے جب ارشاد فرمایا کہ قرآنِ حکیم کے ہر حرف کی تلاوت پر دس نیکیاں ملتی ہیں تو آپ نے مثال دی کہ الٓمٓ ایک حرف نہیں بلکہ آپ نے فرمایا: کہ "الف" حرف، "ل" حرف، اور "م" حرف۔ فرمایا الٓمٓ کہنے سے تیس نیکیاں ملیں گی اور مفسرین امت کی یہ متفقہ رائے ہے کہ حروف مقطعات (الٓمٓ) پڑھتے وقت وہ فرماتے ہیں کہ "اللہ علم بمراده" ان کی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوگیا کہ تلاوت قرآنِ مجید سے حاصل ہونے والا ثواب معانی کا محتاج نہیں وہ تو صرف کلام الٰہی ہے اس کو جب انسانی زبان ادا کرتی ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ قرآنِ مجید کے ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں عطا فرمانی شروع کردیتا ہے۔ ایک بات اور رواج پا رہی ہے کہ لوگ گھروں میں، گاڑیوں میں اور دکانوں میں تلاوت قرآن کی کیسٹ یا سی ڈی لگا دیتے ہیں اور خود گپیں ہانکنا شروع کردیتے ہیں۔ اکثر لوگ بے چارے اس سے بے خبر ہوتے ہیں اور نہ ہی دین سے باخبر لوگ ان کو بتاتے ہیں کہ قرآن پڑھا جارہا ہو تو اس دوران بات کرنی جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات کا مفہوم ہے کہ ''جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو خاموش اور متوجہ ہوکر سنو۔'' قرآنِ مجید میں دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کے ارشادت کا مطلب یہ ہے کہ ''کفار لوگوں کو قرآنِ کریم نہ سننے کا پروپیگنڈا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ قرآن پڑھا جارہا ہو تو اس وقت شور شرابا کرو۔'' رمضان المبارک کا دوسرا مقصود عمل صدقہ وخیرات ہے، چنانچہ احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ نبی ﷺ ویسے تو فطرتاً فراخ دست اور سخی تھے لیکن رمضان المبارک میں آپ بہت ہی زیادہ سخاوت فرماتے۔ تیسری مطلوب رمضان المبارک میں بدنی عبادت ہے...... یعنی نفل اور قیام اللیل...... احادیث میں آتا ہے کہ آپ عبادت کے لیے مستعد ہوجاتے۔ ایک دوسری حدیث کے الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کمر کس لیتے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگا لیتے تھے، اس ماہ مبارک کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ رمضان المبارک شہر مؤاخاۃ یعنی بھائی چارے کا مہینا بھی ہے۔ یعنی اس مہینے میں عزیزوں، رشتہ داروں، اوس پڑوس اور عام مسلمانوں کے دکھ درد میں شریک ہونا چاہیے۔ ایسے ہی اس ماہِ مبارک میں دعا کی طرف بھی

خصوصی توجہ کرنی چاہیے۔ نبی ﷺ نے اس ماہِ مبارک کی تقسیم یہ ارشاد فرما کر کر دی کہ اس کا پہلا عشرہ...... یکم سے دس تک......رحمت کا عشرہ ہے، یعنی اس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے رحمت طلب کرنی چاہیے۔ دوسرا عشرہ...... گیارہ سے بیس تک...... مغفرت کا ہے۔ اس میں رب رحیم وکریم سے زیادہ سے زیادہ مغفرت کا سوال کرنا چاہیے اور آخری عشرہ......اکیس سے آخر رمضان تک......جہنم سے آزادی کے سوال کا ہے۔ اس میں غافر الذنب اور قابل التوب سے جہنم سے آزادی کا سوال کرنا چاہیے۔ لہٰذا ہم میں سے ہر مسلمان کو اس برکت والے مہینے کا حسب استطاعت حق ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

علمائے کرام توجہ فرمائیں:

دور حاضر کا سب سے بڑا مسئلہ مہنگائی کا ہے خصوصاً ماہِ رمضان میں پھل اور سبزی کی بڑھتی ہوئی قیمتوں نے لوگوں کی چیخیں نکال دی ہیں۔ اس الیسے پر اگر ہم شریعت کی روشنی میں غور کریں تو شریعت ہماری مکمل راہنمائی فرماتی ہے۔

شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے محنت وتجارت کی بڑی حوصلہ افزائی فرمائی ہے بلکہ دیانتدار تاجر کے لیے بہت سی بشارتیں بھی دی ہیں۔ زکاۃ کی فرضیت اور صدقات کی ترغیب بھی اسی حکمت عملی کا حصہ ہے کہ انسان اپنے مال وزر کو سینت سینت کر نہ رکھے اور نبی ﷺ کی حیات مبارکہ اس کے لیے مینارۂ نور رہے بلکہ فرامین نبویہ کا اگر بہ نظر غائر جائزہ لیا جائے تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ شریعت نے ارتکاز (یعنی دولت کو چند ہاتھوں یا خاندانوں تک محدود کرنا) کو سخت ناپسند کیا ہے جب کہ سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد ہی ارتکاز ہے۔ اس گمراہ کن نظریے کا اصل مأخذ وہ یہودیانہ ذہنیت ہے جس کے تحت الشعور میں مخلوق کو مغلوب محتاج کرنا ہے جو صیہونی سامراج کی قدیمی ذہنیت کا مظہر ہے۔ شریعت نے اشیائے خورونوش کی ذخیرہ اندوزی کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے لیکن صیہونی وصلیبی سامراج کی ایجادات سے نصرانی، یہودی اور ہندو تاجروں کے ساتھ ساتھ دین سے غافل مسلمان تاجروں کو بھی دنیا کی اندھا دھند طلب نے اندھا کر دیا ہے۔ تھوڑا غور کرنا اگر اپنے گھروں سے شروع کریں تو بات جلد سمجھ آ جائے گی کہ جب تک فریج ایجاد یا ہمارے ہاں نہیں آئی تھی اس وقت تک اشیاءِ خورونوش روزانہ ضرورت کی بنیاد پر خریدی جاتی تھیں۔ اب وافر اور بلا ضرورت خرید کر ہر گھر مالی عسرت کا شکار ہے۔ پہلے معمول یہ ہوتا تھا کہ کھانا، دودھ اور کھانے پینے کی جو چیزیں بچ جاتی تھیں وہ کسی عزیز یا پڑوسی تک پہنچا دی جاتی تھیں کہ یہ رزق ضائع ہونے کی بجائے کسی کے منہ میں چلا جائے۔ اب ایک سالن کئی کئی دن تک فریج میں سنبھالا جاتا ہے جس سے ہر انسان میں بخل نمو پانے لگا ہے۔ بلکہ بعض اللہ کے بندے تو قربانی کا جمع کیا ہوا گوشت مہینوں تک چلاتے اور کھاتے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہ

ایسے ہی ارتکاز کے گناہ ہونے کا تصور ہی ماند پڑ گیا ہے چنانچہ موسم کا ہر پھل ایک تاجر سارا خرید کر کولڈ سٹوریج میں رکھ کر اس کے نرخ حسب منشا نکالتا ہے، ایسے ہی شہروں کے آس پاس رہائشی کالونیوں سے سبزیاں اور چارے کی کاشت چونکہ دور ہوگئی جس سے ان بنیادی ضروریات پر اخراجات آمد ورفت بڑھ جانے سے بھی مہنگائی بڑھ گئی۔ دین سے دوری کے باعث ان ظاہری عوامل اور انسانی جبلت نے ہم سب کو مغلوب کر دیا ہے۔ رمضان المبارک میں مؤاخاۃ کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ ضرورت مندوں تک انسانی ضروریات مناسب ترین نرخوں سے پہنچائی جائیں۔ یہ بات اب کوئی ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ کسی بھی سیاستدان اور ہر سیاسی لیڈر کا حصولِ اقتدار اور طول اقتدار کے سوا کسی دوسری بات کی طرف نہ ان کا دھیان ہے اور نہ ہی ان کی سیاست کا مطلوب ومقصود۔ لہٰذا اب ہمارے علمائے کرام کو چاہیے کہ وہ فروعی مسائل اور سیاسی جھمیلوں میں زور خطابت صرف کرنے کی بجائے عام مسلمانوں کو ان بنیادی باتوں کی طرف توجہ دلائیں عام مسلمانوں کی ذہنی تربیت کریں کہ یہ ان کا دینی فرض بھی ہے اور اخلاقی ومعاشرتی ذمہ داری بھی۔

درس قرآن

قسط نمبر ۳۳

تفسیر سورۂ یٰس

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّهَا﴾ ''پاک ہے وہ جس نے سب کے جوڑے بنائے۔'' ﴿سبحان﴾ کلمہ تنزیہ ہے کہ اللہ ہر عیب اور نقص سے پاک ہے۔ اللہ خالق ازواج ہے، اس کا کوئی زوج نہیں، وہ ہر قسم کے زوج سے پاک ہے۔ ﴿ازواج﴾ ''زوج'' کی جمع ہے جو جوڑے کے معنی میں بھی آتا ہے اور انواع واقسام کے معنی میں بھی آتا ہے۔ جوڑے میں دو متقابل چیزیں ہوتی ہیں، ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کا زوج کہتے ہیں جیسے مرد عورت کا اور عورت مرد کا زوج ہے، اسی طرح حیوانات میں نر اور مادہ ایک دوسرے کا زوج ہیں بلکہ درختوں اور نباتات میں بھی یہ نر اور مادہ کا سلسلہ موجود ہے۔ جب پھل لگنے کا موسم آتا ہے تو نر درختوں کا بیج ہواؤں کے ذریعے یا پرندوں کے ذریعے مادہ درختوں پر ڈال دیا جاتا ہے تو پھل وغیرہ کی پیدائش عمل میں آتی ہے۔ اور کچھ بعید نہیں کہ ازواج کا یہ سلسلہ جمادات میں بھی پایا جاتا ہو جس کی طرف آیت کے اختتام میں ﴿وَمِمَّا لَا یَعۡلَمُوۡنَ﴾ کہہ کر اشارہ کیا گیا ہے۔

اسی طرح دو متقابل ومتعارض چیزوں پر بھی زوج کا اطلاق ہوتا ہے جیسے موت وحیات، سردی وگرمی، موسم بہار اور موسم خزاں، خشکی وتری، خوشی وغمی، صحت اور بیماری، دن اور رات، دھوپ اور سایہ، روشنی اور تاریکی حتی کہ برقی توانائی میں بھی سرد وگرم کا تصور ہے۔ اس کے علاوہ رنگ ونسل کا فرق، عاقل وبیوقوف، شقی وسعید، طویل وقصیر بھی اسی زوج کے دائرے میں آتے ہیں۔

بلکہ زوج کا اطلاق مماثلت رکھنے والی اشیاء پر بھی ہوتا ہے جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کا زوج، یعنی جوڑا ہے۔ اسی معنی میں قرآنِ مجید میں آیا ہے:

﴿وَاٰخَرُ مِنۡ شَکۡلِهٖۤ اَزۡوَاجٌ﴾ [صٓ: ۵۸]
''اور دوسری اس کی ہم شکل کی کئی قسمیں۔''

یوں ہر چیز کا زوج بنانے والا اور ان ازواج کے مابین جوڑ جوڑنے والا صرف اللہ ہے۔ قرآنِ مجید میں ﴿زوج﴾ چودہ معنوں میں استعمال ہوا۔ شائقین اس کی تفصیل علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی کی کتاب ''بصائر ذوي التمييز'' (۱۴۴/۳) میں ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی آیت کے اختتام پر فرمایا گیا تھا کہ اللہ کا شکر کیوں نہیں کرتے، اس آیت میں مزید اشارہ ہے کہ یہ صرف ناشکر گزار ہی نہیں بلکہ اللہ کے سوا دوسروں کے عبادت گزار بن کر شرک کے بھی مرتکب ہیں حالانکہ اللہ پاک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، ہر ایک کے جوڑے بنانے والا وہی ہے، اس کا کوئی زوج نہیں اور نہ کسی کو اس سے کوئی مماثلت ہے، ﴿لَیۡسَ کَمِثۡلِهٖ شَیۡءٌ﴾ کے وصف سے وہی متصف ہے، نہ ہی کوئی اس کے مقابل ہے ﴿وَهُوَ الۡقَاهِرُ فَوۡقَ عِبَادِهٖ﴾ ''وہی سب پر غالب ہے'' اور وہ ہر قسم کے شرک سے پاک ہے۔

﴿اَلۡاَزۡوَاجَ﴾ کا ذکر ﴿مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ﴾ یعنی نباتات اور زمینی اشیاء کے انواع واقسام سے پہلے ہوا ہے، پھر ﴿مِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ﴾ یعنی خود انسانوں میں ازواج (جوڑوں) کا ذکر ہے، پھر ﴿مِمَّا لَا یَعۡلَمُوۡنَ﴾ میں سب زمینی مخلوقات شامل ہیں جن کا انکشاف ابھی تک انسان پر نہیں ہوا۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ بحر وبر میں کتنی انواع واقسام از قسمِ حیوانات، نباتات اور جمادات ہیں جنھیں وہ نہیں جانتے:

﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ﴾ [المدثر: ٣١]

''اور آپ کے رب کے لشکروں کو کوئی نہیں جانتا سوائے اس (اللہ تعالیٰ) کے۔''

﴿وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ [بنی إسرائیل: ٨٥]

''اور نہیں عطا کیا گیا تمھیں علم سے مگر تھوڑا۔''

یہ ساری مخلوقات اور ان کے جوڑے اللہ ہی نے بنائے اور بسائے ہیں۔ تمھارا حال تو یہ ہے کہ تم اللہ کی کامل مخلوق سے ہی بے خبر ہو کہ وہ کہاں اور کیسے بس رہی ہے۔ جو نہ خالق ہے، نہ ہی ساری مخلوق سے واقف ہے، وہ معبود کیسے ہوسکتا ہے! صرف ایک اللہ ہی ہے جو یہ سب کچھ جانتا ہے بلکہ:

﴿وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَ يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ٥﴾

[ھود: ٦]

''اور زمین میں کوئی چلنے والا (جان دار) نہیں مگر اُس کا رزق اللہ ہی پر ہے اور وہ اس کے ٹھہرنے کی جگہ اور اس کے سونپے جانے کی جگہ کو جانتا ہے، سب کچھ ایک واضح کتاب میں درج ہے۔''

صرف انسان ہی نہیں ہر جان دار کی جگہ ورہائش سے وہ واقف ہے، اسی کو علم ہے کہ یہ کب تک یہاں رہے گا اور کب یہاں سے جائے گا، اُس کے علاوہ کسی کو اُن کے اِن اَحوال کا کوئی علم نہیں، اس لیے اللہ کے سوا جنھیں معبود بنایا جاتا ہے اللہ اس شرک سے پاک ہے۔

اس آیت میں یہ لطیف اشارہ ہے کہ جیسے یہاں دنیا میں ہر ایک کا جوڑا ہے؛ موت وحیات ہے، صحت و بیماری ہے، نر اور مادہ ہے، اسی طرح دنیا کا زوج اور جوڑا بھی ہے اور وہ آخرت ہے۔ اگر آخرت اس کا جوڑا نہ ہو تو دنیا ایک بے مقصد اور کھلنڈرے کا کھیل بن کر رہ جاتی ہے۔ دنیا کا خالق حکیم بھی ہے، یہ اس کی حکمت کے منافی ہے کہ وہ کوئی ایسا بے مقصد کام کرے جس کا کوئی نتیجہ نہ ہو۔ گویا اس آیت میں جہاں توحید کا اِثبات اور شرک کا اِبطال ہے وہاں قیامت کے وجود کا بھی اشارہ ہے۔

آیت میں ہر ایک کے جوڑے بنائے جانے کا ذکر ہے جیسے ایک اور مقام پر بھی ذکر ہوا ہے:

﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ٥﴾

[الذاریات: ٤٩]

''اور ہر چیز کی ہم نے دو قسمیں بنائی ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔''

مگر اللہ تبارک وتعالیٰ جوڑے سے پاک ہے۔ ان تمام جوڑوں کے بارے میں مخلوق کو علم نہیں لیکن ان کے خالق کو علم ہے جس سے خالق ومخلوق کا فرق وتقابل بالکل عیاں ہے۔ یہی تقابل ایک جگہ یوں بھی بیان ہوا ہے:

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ٥ وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ٥﴾ [الرحمن: ٢٦،٢٧]

''ہر ایک جو اِس (زمین) پر ہے، فنا ہونے والا ہے۔ اور تیرے رب کا چہرہ باقی رہے گا جو بڑی شان اور عزت والا ہے۔''

اس لیے مخلوق کو خالق سے کوئی نسبت نہیں۔ مخلوق ضعیف وناتواں، جوڑوں کی محتاج، موت وفنا سے دوچار ہونے والی جب کہ خالق قوی عزیز ہے، سبحان ہے اور حی قیوم ہے۔



درسِ حدیث

توفیق الباری

"الادب المفرد" للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات وفوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ
تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیوکرول شالامار باغ۔لاہور)

١٣٢٥ . عن عبد الله قال: ما يزال المسروق منه يتظنى حتى يصير أعظم من السارق.

"حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس کی چوری ہوجاتی ہے وہ اتنی بدگمانیاں کرتا رہتا ہے حتی کہ وہ خود چور سے بھی بڑھ جاتا ہے۔"

١٣٢٦ . عن بلال بن سعد الأشعري أن معاوية كتب إلى أبي الدرداء: اكتب إلي فساق دمشق، فقال: ما لي وفساق دمشق ومن أين أعرفهم؟ فقال ابنه بلال: أنا أكتبهم، فكتبهم، قال: من أين علمت؟ ما عرفت أنهم فساق إلا وأنت منهم، ابدأ بنفسك، ولم يرسل بأسمائهم. (ضعيف الإسناد)

"حضرت بلال اشعری سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ مجھے دمشق کے فاسقوں کی فہرست لکھ کر بھیجو۔ اس پر ابودرداء نے کہا: دمشق کے فاسقوں سے میرا کیا واسطہ! میں انھیں کس طرح پہچانوں گا؟ ان کے بیٹے بلال نے کہا: میں لکھ دیتا ہوں۔ اس نے فہرست لکھی۔ حضرت ابودرداء نے اس سے پوچھا تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ لوگ فاسق ہیں؟ تم نے کیسے پہچانا؟ میرے خیال میں یہی ہوسکتا ہے کہ تم خود بھی ان ہی میں سے ہو، اپنے ہی نام سے فہرست کی ابتدا کرو، پھر انھوں نے یہ فہرست نہیں بھیجی۔"

باب: حلق الجارية والمرأة زوجها

کسی کی لونڈی یا بیوی کا اپنے شوہر کے بال مونڈنا

١٣٢٧ . عن عبد العزيز بن قيس قال: دخلت على عبد الله بن عمر وجارية تحلق الشعر وقال: النورة ترق الجلد. (ضعيف الإسناد)

"عبدالعزیز بن قیس سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا تو ان کی ایک لونڈی ان کے بال مونڈ رہی تھی۔ انھوں نے کہا: نورہ (چونا) جلد کو نرم کردیتا ہے، (اس لیے میں مونڈ دینا پسند کرتا ہوں۔)"

باب: نتف الإبط

بغل کے بال اکھیڑنا

١٣٢٨ . عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: ((الفطرة خمس: الختان، والاستحداد، ونتف الإبط، وقص الشارب، وتقليم الأظفار.))

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "پانچ چیزیں انسانی فطرت میں سے ہیں: ختنہ کرنا، زیر ناف بالوں کا مونڈنا، بغلوں کے بال اکھیڑنا، مونچھیں تراشنا اور ناخن کاٹنا۔"

١٣٢٩ . عن أبي هريرة عن النبي ﷺ: ((خمس من الفطرة: الختان، وحلق العانة، وتقليم الأظفار، ونتف الضبع، وقص الشارب.)) (شاذ بلفظ الضبع والصحيح المرفوع الذي قبله)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''پانچ چیزیں انسانی فطرت میں سے ہیں: ختنہ کرنا، زیر ناف بالوں کا مونڈنا، ناخن کٹانا، بغلوں کے بال اکھاڑنا اور مونچھیں تراشنا۔''

فائدہ: اس میں دلیل ہے اس پر کہ ترک کرنا ان امور کا خلافِ آفرینشِ انسان ہے اور یہ کام کرنا اصلِ آدمی میں داخل ہے۔ جب یہ نہ کیا تو گویا بہائم میں اور اس میں کچھ فرق باقی نہ رہا۔

١٣٣٠ . عن أبي هريرة: خمس من الفطرة: تقليم الأظفار، وقص الشارب، ونتف الإبط، وحلق العانة، والختان.

باب: حسن العهد

حسن سلوک

١٣٣١ . عن أبي الطفيل قال: رأيت النبي ﷺ يقسم لحما بالجعرانة وأنا يومئذ غلام أحمل عضو البعير، فأتته امرأة فبسط لها رداءه، قلت: من هذه؟ قيل: هذه أمّه التي أرضعته.

(ضعيف الإسناد)

''ابوالطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو جعرانہ میں گوشت تقسیم فرماتے ہوئے دیکھا۔ میں ان دنوں چھوٹا سا لڑکا تھا۔ میں اونٹ کا ایک ایک عضو اُٹھا رہا تھا۔ آپ کے پاس ایک عورت آئی تو آپ ﷺ نے اس کے لیے چادر بچھا دی۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ آپ ﷺ کی والدہ محترمہ ہیں جنھوں نے آپ کو دودھ پلایا تھا۔''



جـرعـات

مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ

اس اداریے میں مولانا رحمہ اللہ نے ادارہ ثقافتِ اسلامیہ کی طبع کردہ کتاب ''مقام سنت''، جس کا کسی پچھلے اداریے میں ذکر آیا تھا، کے اقتباسات نقل کرکے اس کتاب کے مصنف وناشر کے نزدیک سنت کا مقام کیا ہے اس کا پردہ چاک کیا ہے۔ (احمد شاکر)

رحیق میں کہیں ذکر آ گیا تھا کہ لاہور کے ''ادارہ ثقافتِ اسلامیہ'' نے انکارِ حدیث کی تبلیغ میں ایک مستقل کتاب ''مقامِ سنت'' شائع کی ہے جس پر ادارہ مذکور کے آرگن رسالہ ''ثقافت'' (دسمبر ۵۸ء) نے نہ صرف ناراضی کے ''تأثرات'' کا اظہار کیا ہے، جس کا ''تأثرات نگار'' کو حق حاصل ہے بلکہ ناچیز اور ہیچ مداں مدیر رحیق کو ''علمی تہی دستی اور گروہی تعصب میں مبتلا'' خطاب سے بھی نوازا گیا ہے جس میں اوّل الذکر کے لیے تو ہم ان کے ممنون ہیں کہ انھوں نے ایک امر واقعہ کا اظہار فرمایا ہے لیکن ان کی خدمت میں بہ صد ادب یہ عرض کرنے کی اجازت بھی چاہتے ہیں کہ دوسرا ''الزام'' محض واہمہ کی تخلیق ہے۔

''ادارہ ثقافت'' کے متعلق ہماری یہ رائے کہ وہ 'منکرِ حدیث ادارہ ہے' بحمد اللہ نہ تو تعصب پر مبنی ہے اور نہ ہی یہ بات ہے کہ ہم ''کتابیں پڑھے بغیر ہی اپنی رائے دے دیا کرتے ہیں۔''

(رسالہ ثقافت، ص:۴۰، دسمبر ۵۸ء)

ہم نے ''ثقافتی کتابیں'' پڑھ کر ہی رحیق میں ان امور کا ٹھوس ثبوت دیا ہے۔ ''ادارہ ثقافت'' کے اکثر دانش وَروں کی تحریروں میں ''انکارِ حدیث'' کے علاوہ بھی بہت سی خلافِ اسلام چیزیں موجود ہیں۔

آج کی صحبت میں ''مقامِ سنت'' کے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ یہ الزام کہ ہم ''صرف طعن تشنیع سے ہی اپنی علمی تہی دامانی ❶ کے خلا کو پُر کرنا کافی سمجھتے ہیں'' (ثقافت، دسمبر ۵۸ء) کہاں تک درست ہے۔ یہ تالیف ❷ ویسے تو ژولیدہ بیانی کا شاہکار ہے تاہم اگر صاف چیز اس میں ملتی ہے تو وہ مندرجہ ذیل امور ہیں ❸:

ا۔ حدیث صرف بصیرت نبوی ہے، وحی الٰہی نہیں ❹:

☆...... ''پیغمبر کی بصیرت واجتہاد کوئی ایسی معمولی چیز نہیں ہوتی جسے ہم سرسری نظر سے دیکھ لیا کریں۔ اور اسے معمولی درجہ دے کر ٹال جائیں۔ تمام عالم کے عقلاء مل کر بھی وہ بصیرت نہیں پیدا کر سکتے جو تنہا پیغمبر کو حاصل ہوتی ہے۔ اس کے باوجود وحی وحی ہے اور بصیرت بصیرت۔''

(مقام سنت، ص:۶۶)

---

❶ بعض ثقافتی دانش وَروں کی ''علمی پُر دامانی'' کے نمونے ہماری نگاہ میں بھی ہیں، وإن تعودوا نعد.

❷ ''تالیف'' اس لیے کہ اس میں عموماً اپنے پیش رَو منکرین حدیث وغیرہ کی باتوں اور کئی دفعہ چبائے ہوئے نوالوں کو اکٹھا کر دیا گیا ہے۔ عبداللہ چکڑالوی، مرزائے قادیانی، مشرقی صاحب، پرویزی صاحب وغیرہم۔

❸ واضح رہے ہماری غرض اس وقت صرف ''تعارف'' ہے کہ مولانا شاہ محمد جعفر صاحب پھلواری (رکن ادارۂ ثقافت) کی یہ تالیف حدیث پاک کی تردید اور مخالفت میں لکھی گئی ہے۔ رہی اس کے مندرجات پر تنقید تو عمومی طور پر ہو چکی ہے اور خصوصی طور پر وہ قابل توجہ ہی نہیں۔

❹ یہ معلوم ہے کہ سب اہل سنت حدیث کو وحی مانتے ہیں۔

☆......''بجز تنزیل (قرآن) کے کسی حکم کو وحی نہ سمجھا جائے۔'' (ص:۷۵)

۲۔ بہت تھوڑی حدیثیں صرف ''الہام''[1] ہیں:

☆......''احادیث سب کی سب غلط نہیں، ان میں صحیح حصے بھی موجود ہیں۔ اور جو صحیح ہیں ان میں سب الہام نہیں بلکہ کچھ حصہ الہام کا ہے اور کچھ غیر الہامی ہے۔ جو الہامی حصہ ہے وہ الہام ہونے کے باوجود ما أنزل الله یا اس کے ہم پلہ نہیں۔'' (ص:۶۱)

☆......''حدیث کا بہت ہی مختصر حصہ الہامی ہے۔'' (ص:۵۳)

☆......''زیادہ سے زیادہ چند مقامات ایسے ہیں جہاں حدیث کو الہامی مانا جاسکتا ہے۔'' (ص:۹۰)

ایک جگہ لکھا ہے:

''خالص دینی معاملات میں بھی حضور کی تمام باتوں کو غیر متبدل نہیں تصور کیا گیا۔'' (ص:۱۰۵)

۳۔ معاملات کی احادیث شریعت مُنزّلہ نہیں:

☆......''اُن تمام احادیث پر نظر ڈالیے جو معاملات سے تعلق رکھتی ہیں تو اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ وہ سب کی سب بصیرت نبوی کے اعلیٰ ترین نمونے ہیں۔ وہ سب حدود اللہ کے اندر ہیں لیکن ان کا تعلق الہام سے نہیں بلکہ بصیرت سے ہے۔'' (ص:۶۵)

☆......''معاملات میں کسی حدیث کا الہام ہونا بالکل بعید از قیاس ہے۔'' (ص:۹۰)

☆......''معاملات میں سنت بلاشبہ وحی کے اندر اور وحی کے مطابق تو ہوتی ہے لیکن خود وحی نہیں ہوتی۔'' (ص:۷۶)

☆......''معاملات سے تعلق رکھنے والی تمام احادیث بصیرت نبوی ہیں نہ کہ الہام وتنزیل۔'' (ص:۶۸)

☆......''معاملات کے متعلق جتنی بھی احادیث ہیں وہ (بشرط صحت) سرتا سر بصیرت نبوی کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔'' (ص:۹۰)

☆......''معاملات میں معاشرت، معیشت، معاش، سیاست وغیرہ ساری چیزیں اپنے تمام اجزاء سمیت داخل ہیں اور ان میں ہر چیز متبدل ہے۔'' (ص:۶۳)

۴۔ رسول کی اطاعت بہ حیثیت امیر المومنین تھی، بہ حیثیت رسول نہیں:

☆......''جن احکام الٰہی کی اطاعت کا نام اطاعت الٰہی ہے وہ آتے ہی ہیں بواسطہ رسول، اسی لیے کہا گیا ہے کہ جو رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ عین اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ رسول کے بعد وہی اطاعت أولوا الأمر کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور ان کی اطاعت عین اطاعتِ خداوندی ہے۔ رسول ہو یا أولوا الأمر سب کا مقصد خدا ہی کی اطاعت کرانی ہوتی ہے، لہٰذا اصل مطاع اللہ تعالیٰ ہے، خواہ کسی کے واسطے سے ہو۔'' (ص:۱۱۲)

☆......''حضور ایک تو امیر مومنین تھے محمد بن عبداللہ ﷺ کی حیثیت سے اور دوسرے پیغمبر تھے محمد رسول اللہ ﷺ کی حیثیت سے۔ زندگی میں یہ دونوں اطاعتیں یک جا تھیں لیکن بعد از وفات پہلی قسم کی اطاعت ختم ہوکر نائبین میں منتقل ہوگئی اور دوسری اطاعت قیامت تک کے لیے ''رسالت'' یعنی قرآن کی صورت میں موجود ہے۔ بس حضور ﷺ نے جو کچھ رسول اللہ کی حیثیت سے دیا یا فرمایا اس میں کسی تغیر وتبدل کا امکان نہیں۔ لیکن دوسری حیثیت کے

---

[1] ''الہام'' مؤلف کے نزدیک وہی شے ہے جسے علمائے اہل سنت متفقہ طور پر ''وحیِ خفی'' قرار دیتے ہیں۔ لیکن مؤلف اس ''الہام'' کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ خاص نہیں سمجھتے۔ بنابریں اس کا دروازہ بھی قیامت تک کے لیے ان کے نزدیک کھلا ہے، یعنی بات وہی ہے جو اُن کا منکرِ حدیث فرقہ کہہ رہا ہے، یعنی حدیث وحی اور حجت دین نہیں لیکن لمبا چکر کاٹ کر، قاتلهم الله أنى يؤفكون.

فرامین ہرفرمان پر مقدم ہونے کے باوجود بجائے خود متبدل ہیں اور وحی نہیں۔'' (ص:۱۱۲)

نتیجہ: اس ساری سر دردی کا نتیجہ بھی مؤلف ہی کی زبان سے سنیے کہ معاملات کی تمام احادیث:

۵۔احکامِ شرعی وقتی تھے:

''اسی دور، اسی ماحول اور ان ہی مخصوص حالات کے لیے صحیح ترین اور مناسب ترین احکام ہیں۔ اور چونکہ معاملات متبدل ہوتے ہیں، اس لیے اس دور کی بہت سی باتیں کسی دور میں قابل ردوبدل بھی ہوسکتی ہیں۔'' (ص:۹۱)

۶۔عہد نبوی کے احکام کی حیثیت حجتِ دین کی نہیں، نظائر کی ہے:

''ہر اسلامی ریاست وامارت کے نظام میں حضور کے فیصلے (اگر ان میں تغیر وتبدل ضروری نہ ہو) تمام دوسرے فیصلوں پر مقدم ہوں گے۔ بنیادصرف کتاب اللہ، باقی تمام چیزیں نظائر (مؤیدات) کا مقام رکھتی ہیں اور ان میں فرامینِ نبوی سب پر مقدم ہیں۔'' (ص:۱۱۲)

۷۔احکامِ شرعیہ انسانوں کی عقل کے سپرد:

''جہاں تک معاملات کا تعلق ہے، تنزیل (قرآن) نے ان کی صرف حدود بیان کردی ہیں۔ باقی رہیں جزوی تفصیلات تو ان کو انسانوں کی عقل وبصیرت ہی پر چھوڑا گیا ہے۔''

(ص:۶۲)

۸۔بعض صحابہ سادہ لوح تھے:

''حضور کے فیض یافتہ صحابہ میں بھی ایسے سادہ لوح مسلمان تھے جو وفورِ علمِ حدیث کے باوجود پورے اخلاص اور سچائی کے ساتھ ایسی روایتیں بیان کرتے تھے جو تنزیل کے خلاف ہوتی تھیں۔'' (ص:۸۶)

اور مثال میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو پیش کیا ہے۔

جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا ہے کہ یہ اقتباسات چند ہیں۔ ورنہ محدثین پر پھبتیاں، الزامات، اتباعِ سنت کا تمسخر، انکارِ حدیث کے ''دلائل'' کی سیر حاصل تفصیلات وغیرہ باتوں کے علاوہ علم واستدلال کے نوادر سے یہ تالیف لطیف مالا مال ہے۔

اور یہ اسی کتاب پر ہی موقوف نہیں بلکہ ثقافتی تحریروں اور مساعی کا (علاوہ ان کے دوسرے الحادی خیالات کے) اس بارے میں لب لباب یہ ہے کہ حدیث اولاً تو محفوظ ہی نہیں رہی، اس کا وجود ہی مشکوک ہے۔ اگر کچھ حصہ ''محفوظ'' ہے بھی تو اس کی حیثیت حجتِ دین کی نہیں بلکہ نظائر کی ہے اور وہ دوامی نہیں، اسی دور کے لیے تھیں۔ اب ہر زمانے کی اسلامی ریاست کو اختیار ہے کہ جس حدیث کو چاہے ترک کردے، چاہے اس پر عمل کرلے۔ آنحضرت ﷺ کے ارشادات ایک ''رسول کے اجتہاد'' کے طور پر نہیں بلکہ ایک ''اعلیٰ انسان'' ہونے کی وجہ سے مقدم سمجھے جانے کے قابل ہیں، واجب التسلیم والعمل نہیں، وغیرہ۔

لیکن بلاشبہ یہ خیالات، جن کی اشاعت میں ادارہ سرگرم ہے، نصوص قرآنیہ صریحہ سے خلاف اور پوری امت کے مخالف ہیں۔ اب اگر کوئی ان کو ٹوکتا ہے اور اپنے ناواقف بھائیوں کو متنبہ کرتا ہے کہ مبادا ''اسلامی ثقافت'' کے نام اور اس کے دانش وروں کے ''کام'' سے کوئی دھوکا کھا جائے تو ''رواداری'' کے یہ واعظ حضرات بگڑنا شروع کردیتے ہیں، وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ○ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَ لٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ○

ماہِ رمضان اور اس کے تقاضے

حافظ ریاض احمد عاقب اثری

۳۔صدقہ وخیرات کا اہتمام:

رمضان کے تقاضوں میں سے ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ اس مہینے میں عام دنوں کے مقابلے میں زیادہ سے زیادہ صدقہ وخیرات کا اہتمام کیا جائے۔ ہمارے پیغمبر ﷺ کا ماہِ رمضان میں صدقہ وخیرات کرنے کا کیا معمول تھا، اس بارے سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"كان النبي ﷺ أجود الناس بالخير، وكان أجود ما يكون في شهر رمضان ...... فإذا لقيه جبريل كان رسول الله ﷺ أجود بالخير من الريح المرسلة." (صحيح بخاري، رقم الحديث: ١٩٠٢، صحيح مسلم، رقم الحديث: ٢٣٠٨)

''نبی ﷺ بھلائی کے کاموں میں سب سے زیادہ سخاوت کرنے والے تھے اور آپ ﷺ کی سب سے زیادہ سخاوت ماہِ رمضان میں ہوتی تھی ...... اس مہینے میں (قرآن کا دور کرنے کے لیے) جب آپ ﷺ سے جبریل علیہ السلام ملتے تو آپ ﷺ کی سخاوت اتنی زیادہ اور اس طرح عام ہوتی جیسے تیز ہوا ہوتی ہے۔''

ہمارے اسلاف اس ماہِ مبارک میں کثرت سے فقراء ومساکین، یتامی وبیوگان اور معاشرے کے پسے ہوئے بے سہارا لوگوں کی مالی امداد کیا کرتے تھے۔ معذور ومقروض افراد کی خبر گیری کرنا اور ان کی ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنا سلف صالحین کا وتیرہ عمل تھا۔ تاریخ اسلام میں سلف صالحین کی بہ کثرت ایسی مثالیں موجود ہیں جن سے ان کی سخاوت، دریا دلی اور فیاضی عیاں ہوتی ہے۔

ان کی سخاوت اور جذبۂ اِطعام طعام صرف مفلوک الحال اور تنگ دست افراد تک محدود نہ تھا بلکہ وہ نیک وصالح افراد اور اپنے قریبی دوست واَحباب کی بھی دعوت کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ خاص طور پر روزے داروں کی افطاری کا اہتمام ان میں عام تھا جس کی جھلک آج بھی حرمین شریفین میں زائرین ومعتمرین حضرات ملاحظہ فرماتے ہیں۔

روزہ کھلوانے کی فضیلت کے بارے محسن کائنات ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((من فطر صائما كان له مثل أجره غير أنه لا ينقص من أجر الصائم شيئا.)) (جامع ترمذي، رقم الحديث: ٨٠٧ وغيره وصححه الألباني في صحيح الترغيب والترهيب، رقم الحديث: ١٠٧٨)

''جو شخص کسی روزے دار کا روزہ کھلواتا ہے، اسے بھی اتنا ہی اجر ملتا ہے جتنا روزے دار کو ملتا ہے، اس سے روزے دار کے اجر میں کچھ بھی کمی واقع نہیں ہوتی۔''

آج عصرِ اِنتشار میں ہمارے ہاں کشاکش کی فضا قائم ہوچکی ہے۔ ہمارے معاشرے میں پیار ومحبت اور قربت کی راہیں مسدود ہوچکی ہیں۔ نفرتوں اور دوریوں کا ہر طرف دور دورہ ہے۔ مسلمان دوسرے مسلمان کے خون کا پیاسا نظر آتا ہے۔ دور حاضر میں مسلمانوں کے لیے عام صدقہ وخیرات نکالنا تو دور رہا وہ فرضی زکاۃ تک دینے سے جان چھڑاتے ہیں۔ زکاۃ وانفاق فی سبیل اللہ کو وہ اپنے اوپر ٹیکس سمجھتے ہیں حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر ایک فرض ہے۔ اس سے غربت ختم ہوتی ہے اور معیشت مستحکم ہوتی ہے۔

آج ہمیں رسولِ اکرم ﷺ کی اتباع میں فرضی زکاۃ کے ساتھ ساتھ عام صدقہ وخیرات زیادہ سے زیادہ دینا چاہیے۔ ہمیں اپنے معاشرے کے فقراء ومساکین، یتیم وبیواؤں، محتاج وتنگ دست، افلاس زدہ، برہنہ پا، قلاش اور بے نوا اَفراد کی بھرپور نصرت واعانت کرنی چاہیے تاکہ وہ عزت ووقار سے اپنی زندگی بسر کرسکیں۔

۴۔ تلاوتِ قرآن کا اہتمام:

ماہِ رمضان کے تقاضوں میں سے ایک اہم تقاضا تلاوتِ کلام اللہ بھی ہے۔ ماہِ رمضان اور قرآنِ مجید کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ جس مقام پر اللہ جل جلالہ نے اس مبارک مہینے کی فرضیت کا تذکرہ فرمایا ہے، اسی جگہ مولائے کریم نے یہ بھی فرمایا ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ﴾ [البقرة: ۱۸۵]

''رمضان کا مہینا وہ ہے جس میں قرآن اُتارا گیا جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور اس ہدایت اور حق کو باطل سے پہچاننے کی واضح نشانیاں ہیں۔''

رمضان المبارک کے ساتھ قرآنِ مقدس کے گہرے تعلق وربط کی وجہ سے رسولِ امین ﷺ اس بابرکت مہینے میں تلاوتِ قرآن کا خاص اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ اس ماہِ مبارک کی رات کی خوش گوار ساعات میں پیغمبر اسلام محمد مصطفیٰ ﷺ جبریل امین علیہ السلام کو قرآنِ مجید سنایا کرتے تھے۔ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں:

"وكان جبريل عليه السلام يلقاه كل ليلة في رمضان حتى ينسلخ يعرض عليه النبي القرآن." (صحيح بخاري، رقم الحديث: ۱۹۰۲، صحيح مسلم، رقم الحديث: ۲۳۰۸)

''جبریل علیہ السلام رمضان کی ہر رات آخر ماہ تک نبی کریم ﷺ سے ملاقات کرتے تھے اور آپ ﷺ انھیں قرآن سناتے تھے۔''

سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"وكان يعرض على النبي القرآن كل عام مرة فعرض عليه مرتين في العام الذي قبض فيه."

(صحيح بخاري، رقم الحديث: ۲۰۴۴)

''جبریل علیہ السلام نبی ﷺ پر ہر سال ایک مرتبہ قرآن حکیم پڑھتے تھے، آپ ﷺ جس سال فوت ہوئے تو انھوں نے دو مرتبہ آپ ﷺ پر قرآنِ مجید پڑھا۔''

ہمارے اسلاف کرام اس مقدس مہینے میں کثرت سے قرآنِ کریم کی تلاوت کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ ان میں کوئی دس دن میں، کوئی سات دن میں اور کوئی تین دن میں قرآنِ مقدس ختم کرلیا کرتے تھے۔

تلاوتِ قرآن کے فضائل وفوائد: قرآنِ مجید کی تلاوت کے فضائل اور فوائد بہت زیادہ ہیں جن میں سے ایک دو کا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((الصيام والقرآن يشفعان للعبد يوم القيامة ...... ويقول القرآن: منعته النوم بالليل فشفعني فيه.)) قال: ((فيشفعان.)) (مسند أحمد: ۲/ ۱۷۴ ومستدرك حاكم: ۱/ ۵۵۴)

''روزہ اور قرآن دونوں بندے کے حق میں روزِ قیامت شفاعت کریں گے...... اور قرآن کہے گا: (اے میرے رب!) میں نے اسے رات کو سونے سے روکے رکھا، لہٰذا تُو اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''چنانچہ ان دونوں کی شفاعت قبول کرلی جائے گی۔''

سیّدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اقرأوا القرآن، فإنه يأتي يوم القيامة شفيعا لأصحابه.)) (صحيح مسلم، رقم الحديث: ۸۰۴)

''قرآن پڑھو! بے شک یہ (قرآن) روزِ قیامت اپنے پڑھنے والوں کا سفارشی ہوگا۔''

سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جو آدمی کتاب اللہ کا صرف ایک حرف پڑھتا ہے اسے ایک نیکی ملتی ہے اور ایک نیکی اس جیسی دس نیکیوں کے برابر ہوتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ﴿الـم﴾ ایک حرف ہے بلکہ ''ألف'' ایک حرف ہے، ''لام'' دوسرا اور ''میم'' تیسرا حرف ہے۔'' (ترمذي، رقم الحديث: ٢٩١٠ وقال: صحيح غريب وأيضا صححه الألباني)

قرآن کے ان فضائل کے علاوہ اور کافی فضائل ہیں جن کا تذکرہ موجبِ طوالت ہوگا۔ بندۂ مومن کو چاہیے کہ عام دنوں میں بھی اور بالخصوص رمضان المبارک میں قرآنِ مجید کی تلاوت کثرت سے کرے۔

آج کے اس پُرفتن دور میں لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ روزہ رکھ کر مخربِ اخلاق ڈائجسٹ، ناول اور غیر ضروری کتابوں کے مطالعے میں مصروف ہوتے ہیں اور اسے ٹائم پاس کرنے کا اچھا بہانہ بناتے ہیں۔ إنا لله وإنا إليه راجعون

یہ بھی یاد رہے کہ تلاوتِ قرآن کے ساتھ ساتھ اس کے مطالب ومعانی پر بھی غور وفکر کرنا لازمی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ [ص: ٢٩]

''یہ بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اس لیے نازل فرمایا ہے کہ وہ اس کی آیات میں غور وفکر کریں اور صاحب عقل ودانش اس سے نصیحت حاصل کریں۔''

۵۔ اعتکاف کا اہتمام:

ماہِ رمضان کے تقاضوں واَعمال میں اعتکاف بھی ایک خصوصی عمل وتقاضا ہے۔ حضرت محمد ﷺ اعتکاف کا خصوصی اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ مرشد اعظم محمد رسول اللہ ﷺ اتنی پابندی سے اعتکاف کرتے تھے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ اعتکاف نہ بیٹھ سکے تو آپ ﷺ نے ماہِ شوال کے آخری دس دن کا اعتکاف فرمایا تھا۔

(صحيح بخاري، رقم الحديث: ٢٠٤١)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ بھی رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کا اہتمام فرماتے تھے۔ ان میں یادِ الٰہی اور ذکر الٰہی کی ایک تڑپ تھی جو اُنھیں اعمالِ صالحہ پر اُبھارتی رہتی تھی۔ دورِ حاضر کا مسلمان اس جذبۂ عبادت اور شوقِ ذکرِ الٰہی سے عاری نظر آتا ہے۔ مساجد ویران ہیں، کوئی نمازی نظر نہیں آتا ۔

رہ گئی رسمِ اذاں، روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا، تلقین غزالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے

اللہ تعالیٰ ہمیں مساجد کی رونق بحال کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

٦۔ لیلۃ القدر کی تلاش وجستجو:

ماہِ رمضان کے تقاضوں میں ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ اس ماہِ مبارک کے آخری عشرے کی پانچ پُر سعادت راتوں میں شب قدر کو تلاش کیا جائے۔ شب قدر کی بہت فضیلت ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝﴾ [القدر: ٣ تا ٥]

''شب قدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس میں (ہر کام کے سرانجام دینے کو) اپنے ربّ کے حکم سے فرشتے اور روح (جبریل علیہ السلام) اترتے ہیں۔ یہ رات سلامتی کی ہوتی ہے اور طلوعِ فجر تک رہتی ہے۔''

رسولِ اکرم ﷺ نے قیامِ شب قدر کی فضیلت یوں اُجاگر فرمائی:

((من قام ليلة القدر إيمانا واحتسابا غفرله ما تقدم من ذنبه.))

(صحيح بخاري، رقم الحديث: ٢٠١٤)

''جس نے شبِ قدر کا قیام ایمان اور ثواب سمجھ کر کیا، اس کے سابقہ گناہ معاف کردیے جائیں گے۔''

شب قدر کی اس اہمیت وفضیلت کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ کا

کیا معمول تھا، اس کے بارے میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں:

"کان رسول الله إذا دخل العشر أحيا الليل، وأيقظ أهله وجد وشد المئزر." (صحيح بخاري، رقم الحديث: ٢٠٢٤، صحيح مسلم، رقم الحديث: ١١٧٤)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کا بیشتر حصہ جاگ کر گزارتے اور اپنے گھر والوں کو بھی بیدار کرتے اور (عبادت میں) خوب محنت کرتے اور کمر بستہ ہوجاتے تھے۔"

ایک اور روایت میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

"كان رسول الله يجتهد في العشر الأواخر مالا يجتهد في غيره." (صحيح مسلم، رقم الحديث: ١١٧٥)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (رمضان کے) آخری عشرے میں جتنی محنت وکوشش (عبادت میں) کرتے تھے باقی عام دنوں میں اتنی محنت نہیں کرتے تھے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی شبِ قدر کی تلاش کی تاکید فرمائی، ارشادِ گرامی ہے:

((تحروا ليلة القدر في الوتر من العشر الأواخر من رمضان.)) (صحيح بخاري، رقم الحديث: ٢٠١٧)

"شب قدر رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔"

ان مذکورہ دلائل سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ القدر کی تلاش میں خوب عبادت کرتے تھے۔ ہمیں بھی ماہِ رمضان کے آخری عشرے میں خوب عبادت کرنی چاہیے اور شبِ قدر کی تلاش کا اہتمام کرنا چاہیے تاکہ ہم بھی اس بابرکت رات میں ربّ ذوالجلال کی بندگی کرکے ہزار مہینوں کی عبادت کا ثواب حاصل کرلیں۔

۷۔ کثرتِ دعا کا اہتمام:

ماہِ رمضان کے تقاضوں میں سے ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ ہم اس قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ماہِ رمضان کے احکام ومسائل کے بیان میں دعا کی ترغیب دلائی ہے، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾ [البقرة: ١٨٦]

"جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو (انھیں بتا دیجیے کہ) میں قریب ہوں، جب پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار (دعا) قبول کرلیتا ہوں۔ لوگوں کو چاہیے کہ وہ بھی میری بات مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔"

اکثر مفسرین نے تحریر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو رمضان المبارک کے احکام ومسائل کے درمیان دعا کا ذکر فرمایا ہے، اس کی ایک خاص حکمت ہے اور وہ یہ ہے کہ رمضان المبارک میں دعاؤں کا خصوصی اہتمام کیا جائے کیوں کہ روزے کی حالت میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے جیسا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادگرامی ہے:

((ثلاث دعوات لا ترد؛ دعوة الوالد لولده، ودعوة الصائم، ودعوة المسافر.))

(صحيح الجامع الصغير: ٣٠٣٠، ٣٠٣٢)

"تین دعائیں رد نہیں کی جاتیں؛ والد کی اپنی اولاد کے لیے دعا، روزے دار کی دعا اور مسافر کی دعا۔"

اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ ہمیں اس ماہِ مقدس میں بہ کثرت اللہ تعالیٰ سے دعاؤں کا التزام کرنا چاہیے، خصوصاً افطاری کے وقت اور رات کے آخری حصے میں جب اللہ تعالیٰ خود آسمانِ دنیا پر نزول فرما کر لوگوں سے مخاطب ہوکر فرماتا ہے:

"من يدعوني فأستجيب له؟ من يسألني

فأعطيه؟ من يستغفرني فأغفر له؟“

(صحيح بخاري، رقم الحديث: ۱۱۴۵)

”کون ہے جو مجھ سے مانگے تو میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اسے عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اسے بخش دوں؟“

جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر اِس قدر رحمت وشفقت کرتا ہے تو پھر بندۂ مومن کو چاہیے کہ رات کے تیسرے (آخری) پہر میں اپنے رب تعالیٰ کے سامنے گڑگڑا کر دعائیں اور التجائیں کرے تاکہ وہ اس کی ہر مُراد اور ہر آس پوری کردے۔ لیکن دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ ماہِ رمضان میں بھی رات کے وقت ٹی وی پروگرام دیکھتے رہتے ہیں اور رات کا آخری پہر سوکر گزار دیتے ہیں، إنا لله وإنا إليه راجعون.

ہمیں اس غفلت شعاری کو ترک کرکے سلف صالحین کے منہج کو اپنانا ہوگا کہ اسی میں ہماری کامیابی وکامرانی کا راز مضمر ہے۔

۸۔ توبہ واستغفار کا اہتمام:

ماہِ رمضان کے تقاضوں میں سے ایک خصوصی تقاضا یہ بھی ہے کہ بندۂ مومن اس ماہِ غفران میں اپنے گناہوں، لغزشوں اور خطاؤں کی معافی مانگے۔

مقامِ افسوس ہے کہ آج ہماری زندگی کے شب وروز گناہوں میں گزرتے ہیں۔ ہمارے لیل ونہار عاداتِ قبیحہ اور رسوماتِ شنیعہ میں بسر ہوتے ہیں۔ ہماری زندگی میں کتنے رمضان آئے لیکن ہماری زندگی میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

ایسا شخص بدبخت اور بدنصیب ہے جو اِس مقدس مہینے کو پاکر اپنے گناہوں کی معافی نہیں مانگتا۔ ایسے انسان کے بارے میں رحمۃ للعالمین پیغمبر ﷺ نے فرمایا:

((رغم أنف رجل ذكرت عنده فلم يصل علي، ورغم أنف رجل دخل عليه رمضان ثم انسلخ قبل أن يغفر له، ورغم أنف رجل أدرك عنده أبواه الكبر أو أحدهما فلم يدخلاه الجنة.)) (ترمذي، رقم الحديث: ۳۵۴۵ وقال: حسن غريب. وصححه الألباني بالشواهد: تحقيق المشكاة مع هداية الرواة: ۴۱۷/۱)

”اس آدمی کی ناک خاک آلود ہوجائے جس کے پاس میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو جائے، جس پر رمضان کا مہینا داخل ہوا اور گزر گیا اور اس کی بخشش ومغفرت کا موجب نہ بنا۔ اور اس آدمی کی ناک خاک آلود ہوجائے جس کے ماں باپ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک اس کے پاس بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائے اور وہ اس کے لیے جنت میں داخلے کا باعث نہ بنیں۔“

اس حدیث میں ایسے شخص کے لیے سخت وعید ہے جو رمضان کا بابرکت مہینا پا کر اپنے گناہوں کی مغفرت نہیں کرواتا حالانکہ اس کی رحمت کے دروازے ہر وقت کھلے ہوئے ہیں۔ بندۂ مومن جب توبہ واستغفار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتا ہے۔ وہ رب رحیم اپنے بندوں کے گناہ معاف کرکے ان کو نیکیوں میں بدل دیتا ہے، اس لیے بندۂ مومن کو چاہیے کہ اس ماہِ مقدس میں خصوصی طور پر توبہ واستغفار کا اہتمام کرے۔ موت کا کوئی پتا نہیں کہ کب آجائے، اس لیے موت کے آنے سے پہلے پہلے توبہ واستغفار کا اہتمام کرلیا جائے۔ جب موت کے آثار ظاہر ہوجائیں تو پھر توبہ واستغفار کے دروازے بند ہوجاتے ہیں، اس لیے صحت اور تن درستی کی حالت میں توبہ کرلینی چاہیے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے صدق دل سے دعا گو ہیں کہ مولائے کریم! ہمیں ماہِ رمضان کے تمام تقاضوں پر عمل پیرا ہونے کی توفیق بخش اور ماہِ غفران میں اپنی خاص رحمتوں، برکتوں اور نوازشوں کو حاصل کرنے کی ہمت عطا فرما، آمین یا رب العالمین۔



تحقیق وتدقیق

قسط نمبر ② آخری

سنت اور اس کا دائرۂ کار

ڈاکٹر حافظ محمد شریف شاکر، ایسوسی ایٹ پروفیسر جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

۴۔ أسوۃ کا لغوی مفہوم:

قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

''أسوۃ، ائتساء سے ہے جیسے قُدوۃ، اقتداء سے ہے۔ یہ اسم ہے جو مصدر کی جگہ رکھا جاتا ہے۔ جوہری نے کہا کہ أُسوۃ اور إسوۃ (ہمزہ کی) پیش اور زیر کے ساتھ ہے۔ اور اس کی جمع أُسًى اور أسًى ہے۔ جمہور نے ہمزہ کی پیش کے ساتھ ''أُسْوَۃٌ'' اور عاصم نے اس کی زیر کے ساتھ ''إِسْوَۃٌ'' پڑھا ہے۔ یہ دو لغتیں ہیں جیسا کہ فراء وغیرہ نے کہا ہے۔'' (فتح القدير الجامع بين فني الرواية والدراية من علم التفسير: ٤/ ٢٧٠)

أسوۃ (زیر اور زبر کے ساتھ) اس حالت کا نام ہے جس میں انسان کسی کی اقتدا کرے۔ (المفردات في غريب القرآن، ص: ١٨)

یہ اقتدا اچھائی میں ہو یا برائی میں، اسی لیے رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کو حسن سے مقید کیا گیا ہے، چنانچہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں:

اصطلاحی مفہوم:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ [الأحزاب: ٢١]

''یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ (کی زندگی) میں عمدہ نمونہ موجود ہے، ہر اُس شخص کے لیے جو اللہ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بہ کثرت اللہ کو یاد کرتا ہے۔''

اس آیت میں تاکیداً فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال میں آپ ﷺ کی اتباع و اطاعت عمدہ نمونہ اور بہترین طریقۂ کار ہے۔

حکیم ترمذی اسی آیات کے تحت لکھتے ہیں:

۵۔ الحکمۃ کا لغوی مفہوم:

''حکمت افضل ترین اشیاء اور افضل ترین علوم سے عبارت ہے۔ اور جو شخص صنعتوں کی باریکیوں کو خوب پہچانتا ہو اور ان میں پختہ کار ہو اُسے حکیم کہا جاتا ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ حکیم حاکم کے معنی میں ہو، جیسے قدیر قادر کے معنی میں اور علیم عالم کے معنی میں ہے۔ جوہری کہتے ہیں کہ حُکم اور حکمت (کا تعلق) علم سے ہے اور عالم اور صاحبِ حکمت کو حکیم کہتے ہیں اور حُکم سے مراد علم وفقہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا﴾ [مريم: ١٢]

''اور ہم نے اسے بچپن ہی میں حُکم (قوت فیصلہ اور تفقہ فی الدین) سے نوازا تھا۔'' (لسان العرب: ١٢/ ١٤٠)

قاضی بیضاوی لکھتے ہیں:

"الحكمة ما يكمل به نفوسهم من المعارف والأحكام." (أنوار التنزيل وأسرار التأويل، ص: ١٠٧)

''حکمت سے مراد وہ معارف واَحکام ہیں جن سے اِن (اصحابِ رسول) کے یا امتِ رسول کے نفوس کی تکمیل کی جائے گی۔''

مجد الدین فیروز آبادی حکمت سے مراد عدل، علم، حلم، نبوت، قرآن اور انجیل لیتے ہیں۔ (القاموس المحيط، ص: ٨١٧)

حضرت داود علیہ السلام کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَ اٰتَیۡنٰهُ الۡحِکۡمَةَ وَفَصۡلَ الۡخِطَابِ﴾ [صٓ: ٢٠]

''اور ہم نے اسے حکمت عطا کی تھی اور فیصلہ کن بات کہنے کی صلاحیت بخشی تھی۔''

حکمت کا اصطلاحی مفہوم:

محمد بن نصر مروزی لکھتے ہیں:

''قرآن اور سنت دو چیزیں ہیں۔ ان دونوں کا علم حاصل کرنا اور ان دونوں پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق (جن وانس) پر فرض کیا ہے۔ اور ان دونوں کو ایک دوسرے سے ملایا ہے، ان دونوں میں کوئی فرق نہیں کیا۔ ان دونوں کی تصدیق کرنے میں دونوں کا یکساں مقام ہے، دونوں اللہ ہی کی جانب سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے رب سے اپنی اولاد کے لیے دعا کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَابۡعَثۡ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ وَیُزَکِّیۡهِمۡ﴾ [البقرة: ١٢٩]

اور اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیۡهِمۡ وَیُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ﴾ [الجمعة: ٢]

اور فرمایا:

﴿کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِیۡکُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡکُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِنَا وَیُزَکِّیۡکُمۡ وَیُعَلِّمُکُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ﴾ [البقرة: ١٥١]

اور فرمایا:

﴿لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیۡهِمۡ وَیُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ﴾ [آلِ عمران: ١٦٤]

اور فرمایا:

﴿وَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَیۡکُمۡ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ عَلَیۡکُمۡ مِّنَ الۡکِتٰبِ وَ الۡحِکۡمَةِ یَعِظُکُمۡ بِهٖ﴾ [البقرة: ٢٣١]

اور اللہ جل ثناءہ نے فرمایا:

﴿وَ اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلَیۡكَ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمۡ تَکُنۡ تَعۡلَمُ﴾ [النساء: ١١٣]

اور فرمایا:

﴿وَاذۡکُرۡنَ مَا یُتۡلٰی فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ مِنۡ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَ الۡحِکۡمَةِ﴾ [الأحزاب: ٣٤]''

(السنة للمروزي، ص: ١١٠، ١١١)

ان آیات میں مذکور لفظ ﴿الکتاب﴾ اور ﴿الحکمة﴾ کی وضاحت کرتے ہوئے امام شافعی فرماتے ہیں کہ اللہ نے ﴿الکتاب﴾ کا ذکر کیا، اس سے مراد قرآن ہے اور ﴿الحکمة﴾ کا ذکر کیا، قرآن کا علم رکھنے والے جن علماء کو امام شافعی پسند کرتے تھے آپ نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ﴿الحکمة﴾ سے مراد رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے اور یہ معنی اللہ کی کہی ہوئی بات سے مشابہت رکھتا ہے۔ اور اللہ خوب جانتا ہے کیوں کہ پہلے قرآن کا ذکر کیا گیا اور اس کے ساتھ ہی ﴿الحکمة﴾ کو لایا گیا۔ اللہ نے اپنی مخلوق کو کتاب وحکمت کی تعلیم دینے کے سبب ان کو اپنا احسان یاد دلایا، لہٰذا ﴿الحکمة﴾ سے رسول اللہ ﷺ کی سنت کے سوا کچھ اور مراد لینا جائز نہیں، اس لیے کہ ﴿الحکمة﴾ کو ''كتاب الله'' کے ساتھ ملا کر لایا گیا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت فرض کی ہے اور آپ ﷺ کے حکم کی اتباع لوگوں پر واجب ٹھہرائی ہے، لہٰذا کتاب اللہ یا پھر سنت رسول کے سوا کسی قول کی وجہ سے کسی چیز کو فرض کہہ دینا جائز نہیں ہے۔ اس کا سبب وہ ہے جو شافعی نے ہم سے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ''إیما ن بالرسول'' کو ''إیمان بالله'' سے ملایا ہے اور اللہ کی مراد کے مفہوم کو رسول اللہ کی سنت بیان کرنے والی ہے، اس کے خاص اور عام کی راہنما ہے۔ پھر ان آیات میں ﴿الحکمة﴾ کو

اللہ نے اپنی کتاب سے ملا دیا ہے، پس ﴿الحکمۃ﴾ کو ﴿الکتاب﴾ کے ساتھ ہی ذکر کردیا اور یہ منصب اپنی مخلوق میں سے اپنے رسول کے سوا کسی کو عطا نہیں کیا۔(الرسالة للشافعي، ص: ۷۸، ۷۹)

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ﴿مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ﴾ میں ﴿الحکمۃ﴾ سے مراد سنت ہے۔(السنة للمروزي، ص: ۱۱۲)

محمد بن نصر مروزی کہتے ہیں:

''شافعی کے ہاں پسندیدہ اور قرآنی علوم سے بہرہ ور جماعت نے کہا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے واضح کیا کہ اس نے اپنے نبی ﷺ کو یہ حکم دیا کہ وہ لوگوں کو کتاب وحکمت سکھائیں، لہٰذا ﴿الحکمۃ﴾ قرآن کے علاوہ ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کا جاری کردہ طریقہ ہے جس کا ذکر قرآن میں نہیں ہے کیوں کہ دونوں ایک ہی مقام سے نازل شدہ ہیں۔ کتاب وحکمت میں سے ہرایک کی تعلیم مخلوق کو دینے کا حکم اللہ نے اپنے نبی کو دیا ہے، اس لیے سنت کو اختیار کرنا اور اس پر عمل کرنا مخلوق پر اُسی طرح واجب ٹھہرایا جس طرح کتاب اللہ پر عمل کرنا ان پر واجب ٹھہرایا ہے۔ ان دونوں میں سے ہرایک کا معنی ومفہوم وہی ہے جو دوسرے کا ہے۔ اللہ عزو جل نے اپنے رسول ﷺ کی اطاعت واجب ٹھہرادی اور اسے اپنی مخلوق پر اسی طرح فرض ٹھہرایا جس طرح ان پر اپنی اِطاعت فرض کی ہے، لازم ہونے میں ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔''

(السنة للمروزي، ص: ۱۱۳)

سنت کا دائرۂ کار:

اس میں شبہ نہیں کہ قرآن وسنت دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہیں، لہٰذا جو چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اُس میں اختلاف کا امکان قطعاً نہیں ہوسکتا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ [النساء: ۸۲]

''اگر (قرآن) غیر اللہ کی جانب سے ہوتا تو وہ اس میں بہت زیادہ تضاد دیکھتے۔''

رسول اللہ ﷺ سے صحیح ثابت شدہ سنت کا فی الواقع قرآن کے مخالف ہونا ممکن نہیں ہے کیوں کہ یہ دونوں وحیِ الٰہی ہیں اور وحیِ الٰہی میں تضاد ناممکن ہے۔ لیکن بعض دفعہ بہ ظاہر تضاد نظر آتا ہے جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ حکم سے جو کچھ مراد ہوتا ہے وہ بسا اوقات بادی النظر میں مجتہد سے مخفی رہ جاتا ہے۔

سنت کے دائرۂ کار کے تعین اور سنت کے اپنے مدلول کی راہنمائی کے لحاظ سے اس کی تین قسمیں ہیں۔ امام شافعی (م۲۰۴ھ) ان تین حیثیات کا یوں تذکرہ کرتے ہیں:

"فلم أعلم من أهل العلم مخالفاً في أن سنن النبي من ثلاثة وجوه." (الرسالة للشافعي: ۹۱)

''میرے علم کے مطابق کوئی اہل علم اس کا مخالف نہیں ہے کہ نبی (ﷺ) کی سنن کی تین حیثیتیں ہیں۔''

امام ابن قیم نے بھی تین ہی قسمیں ذکر کی ہیں، آپ لکھتے ہیں:

"السنة مع القرآن على ثلاثة أوجه."

(إعلام الموقعين عن رب العالمين: ۲/ ۳۰۷)

یعنی سنت تین حیثیتوں سے قرآن کے ساتھ ہے۔

درج ذیل سطور میں ان تین اقسام کی وضاحت مثالوں کے ساتھ کی جائے گی۔

۱۔ سنت کی قرآن سے موافقت:

جو سنت تمام وجوہ سے اسی طرح حکم پر دلالت کرے جیسے قرآن نے حکم پر دلالت کی ہے۔ یہ سنت اجمال و بیان اور اختصار وشرح کے لحاظ سے قرآن کے موافق ہوگی اور قرآن کے ساتھ اس کی حیثیت اس کے مُوکّد کی ہوگی جیسے نبی ﷺ کی حدیث

((بني الإسلام على خمس.)) (صحيح بخاري، رقم الحديث: ۸) کی حیثیت قرآنی آیات ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ [البقرة: ۴۳]، ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ

عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ ﴾ [البقرة : ١٨٣] اور ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ﴾ [آل عمران : ٩٧] کے ساتھ ہے۔

سنت نے ((بني الإسلام على خمس)) میں نماز، زکاۃ اور حج کی کیفیت بیان نہ کرنے کے باوجود ان کے وجوب پر اسی طرح دلالت کی ہے جس طرح مذکورہ بالا آیات نے کی ہے۔

ایسے ہی حدیث ((لايحل مال امرء مسلم إلا بطيب من نفسه .)) (مسند أحمد، رقم الحديث : ٢٠٩٧١) اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ [البقرة : ١٨٨] سے موافقت رکھتی ہے۔

اور حدیثِ رسول ((القوا االله في النساء فإنهن عوان عندكم أخذتموهن بإمانة الله واستحللتم فروجهن بكلمة الله .)) (سنن أبي داود، رقم الحديث : ١٩٠٥) اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ [النساء : ١٩] سے موافقت رکھتی ہے۔

۲۔ سنت قرآن کی مُبیِّن:

بعض دفعہ سنت قرآن میں وارد شدہ احکام کو بیان کرتی ہے، گویا قرآن کے مجمل کی تفصیل اور اس کے مشکل کی توضیح کرتی ہے یا اس کے مطلق کو مقید اور اس کے عام کو خاص کرتی ہے، مثلاً:

وہ احادیث جو صلاۃ و زکاۃ کے مجمل کی تفصیل بتاتی ہیں اور وہ احادیث جن سے مستفاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول ﴿حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ ﴾ [البقرة : ١٨٧] میں ''خیط ابیض'' سے مراد ''بیاض النہار'' اور ''خیط اسود'' سے مراد ''سواد اللیل'' ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے قول ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ ﴾ [التوبة : ٣٤] میں ﴿الکنز﴾ سے مراد زکاۃ کی عدم ادئیگی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے قول ﴿فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا ﴾ [المائدة : ٣٨] میں ''الید'' سے مراد دستِ راست مقید کیا گیا ہے۔

اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے قول ﴿فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ﴾ [المائدة : ٨٩] میں ''ثلاثة أيام'' کو ''تتابع'' کے ساتھ سنت نے مقید کیا ہے۔

اور یہ سنت نے ہی وضاحت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ﴾ [الأنعام : ٨٢] میں ظلم سے مراد خاص شرک ہے۔

اس قسم کی سنت کو قرآن کی مبیِّن کہا جاتا ہے۔

۳۔ سنت ایسے احکام کی طرف راہنمائی کرتی ہے جس سے قرآن خاموش ہے:

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ سنت ایسے حکم کو واجب کرتی ہے جسے واجب کرنے سے قرآن خاموش ہے یا اس چیز کو حرام ٹھہراتی ہے جس کی تحریم سے قرآن خاموش ہے۔

(إعلام الموقعين : ٢/ ٣٠٧)

اس کی مثالیں وہ احادیث ہیں جنھوں نے رضاعت کے ان رشتوں کو حرام کیا جن کو نسب حرام کرتا ہے اور عورت کو اُس کی پھوپھی یا خالہ کے ساتھ (ایک شخص کے نکاح میں) جمع کرنے کو حرام کیا ہے، حق شفعہ، حضر میں رہن، دادی کے ورثے کا بیان، ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کرنے کو حدیث نے شریعت بنایا ہے، شادی شدہ زانی کے رجم کا وجوب اور رمضان کا روزہ توڑنے والے شخص پر کفارے کا واجب ہونا اور ایسے ہی کئی دیگر احکام کی راہنمائی حدیث نے کی ہے۔

ان مذکورہ بالا احکام کا ذکر قرآن میں نہیں آیا اور کوئی صاحب علم ان احکام کی حامل احادیث کو ''قرآن پر اضافہ'' کہہ کر رد نہیں کرسکتا، اسی لیے امام ابن قیم ان احکام کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''وكيف يمكن أحدا من أهل العلم أن لا يقبل حديثا زائد على كتاب الله .''

(إعلام الموقعين : ٢/ ٣٠٨)

''اور کسی صاحب علم کے لیے یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ قرآن سے زائد اَحکام بیان کرنے والی حدیث کو قبول نہ کرے۔''

آپ مزید فرماتے ہیں کہ تمام لوگوں نے بیٹی کے ساتھ پوتی کو وارث بنانے کے بارے میں نبی ﷺ کی حدیث قبول کی ہے حالانکہ یہ حدیث صراحتاً قرآن پر زائد ہے۔ اور قیدی عورت کے ایک حیض کے ساتھ استبرائے رحم کی حدیث سب نے قبول کی ہے حالانکہ یہ حدیث بھی قرآن پر زائد ہے۔ اور مقتول کا مالِ سلب قاتل کو ملنے کی حدیث سب نے قبول کی ہے حالانکہ تقسیم غنائم کے بارے میں قرآن میں مذکور احکام پر یہ زائد ہے۔ اور آپ کا یہ فیصلہ کہ حقیقی بھائی (ایک ماں اور ایک باپ کے دو بیٹے) ایک دوسرے کے وارث ہوں گے نہ کہ سوتیلے بھائی جو ایک باپ اور دو ماؤں سے ہوں، ایک شخص اپنے حقیقی بھائی کا وارث ہوگا نہ کہ سوتیلے بھائی کا، اس زائد علی القرآن فیصلے کو سب نے قبول کیا ہے۔ (إعلام الموقعين: ۲/ ۳۰۸)

ان تمام مذکورہ بالا احکام سے قرآن خاموش ہے۔ ایسی زیادت اور اضافے کو اسلاف تسلیم کرتے ہیں۔

حافظ ابن قیم اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ پاک باز اور نیک طینت اسلاف جب حدیث رسول سنتے تو اس کی تصدیق قرآن میں موجود پاتے۔ ان میں سے کبھی کسی نے کسی ایک حدیث کے بارے میں یہ نہیں کہا کہ یہ حدیث قرآن پر زیادتی ہے، لہٰذا ہم اسے قبول نہیں کریں گے، نہ اسے سنیں گے اور نہ اس پر عمل کریں گے۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا مقام ان کے دلوں میں بہت زیادہ تھا اور آپ کی سنت ان کے ہاں زیادت (کا کہہ کر رد کرنے) سے عظیم تر تھی۔ (إعلام الموقعين: ۲/ ۳۱۳)

لہٰذا کوئی صحیح سنت قرآن عظیم کے معارض ومخالف نہیں بلکہ اس کا اپنا شرعی مقام ہے۔ جو سنت قرآن سے زائد ہے وہ ایسی شریعت ہے جس کا آغاز نبی ﷺ سے ہوا ہے۔ اس میں آپ ﷺ کی اطاعت واجب ہے اور آپ ﷺ کی نافرمانی حلال نہیں ہے۔ اور یہ کتاب اللہ کو سنت پر مقدم کرنا نہیں ہے بلکہ اطاعتِ رسول کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت گزاری ہے۔ اگر وحی کی اس قسم میں آپ ﷺ کی اطاعت نہ کی جائے تو آپ ﷺ کی اطاعت بے معنی ہوکر رہ جاتی ہے۔ اور جو اطاعت قرآن میں آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص کی گئی ہے وہ ساقط ہوکر رہ جاتی ہے۔

(إعلام الموقعين: ۲/ ۳۰۷، ۳۰۸)

سنت قرآن کے مخالف نہیں ہوسکتی:

حافظ ابن قیم الجوزیہ لکھتے ہیں:

"نحن نقول قولا كليا نشهد الله وملئكته أن ليس في حديث رسول الله مايخالف القرآن ولا مايخالف العقل الصريح بل كلامه بيان للقرآن وتفسير له وتفصيل لما أجمله."

(مختصر الصواعق المرسلة على الجهمية والمعطلة: ۲/ ٤٤١)

''ہم اللہ اور اس کے فرشتوں کو گواہ ٹھہراتے ہوئے (بغیر کسی استثناء کے) کلی اور عمومی طور پر یہ بات کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں کوئی ایسی بات نہیں ملتی جو قرآن کے مخالف ہو یا عقل صریح سے ٹکراتی ہو بلکہ آپ ﷺ کے ارشادات قرآنی آیات کا بیان اور قرآنی اجمال کی تفصیل و توضیح ہیں۔''

جو کچھ قرآن سے زائد ہے وہ ایسی شریعت ہے جس کا آغاز رسول اللہ ﷺ سے ہوا۔ (إعلام الموقعين: ۲/ ۳۰۷)

ابن قیم مزید فرماتے ہیں کہ جس چیز پر اللہ اور اس کا رسول گواہ ہیں وہ یہ ہے کہ کوئی بھی صحیح سنت، جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو، ہرگز قرآن کے برعکس اور مخالف نہیں ہوسکتی۔ اور وہ مخالف کیسے ہوسکتی ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ قرآن کی وضاحت کرنے والے ہیں اور رب نے آپ ﷺ پر یہ کتاب نازل کی اور اس کی طرف آپ ﷺ کی راہنمائی فرمائی اور آپ ﷺ کو اس کی پیروی کا حکم دیا گیا اور

آپ ﷺ تمام مخلوق سے بڑھ کر اس کی تاویل اور مراد کو جاننے والے ہیں۔

(الطرق الحكمية في السياسة الشرعية، ص: ۷۲، ۷۳)

حافظ ابن حزم لکھتے ہیں:

''سنت دو طرح سے قرآن کی مثل ہے: ایک یہ کہ قرآن اورسنت دونوں اللہ عزوجل کی طرف سے ہیں جیسا کہ ہم نے ابھی اللہ کا کلام ﴿وما ينطق عن الهوى ان هو الا وحي يوحى﴾ ذکر کیا ہے۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿من يطع الرسول فقد اطاع الله﴾ اوراس کے کلام ﴿اطيعوا الله واطيعوا الرسول﴾ کی وجہ سے قرآن اورسنت دونوں واجب الطاعۃ ہونے میں برابر ہیں۔''

(الإحكام في أصول الأحكام لابن حزم: ٤ / ١٠٨)

صاحبِ أصول الشاشي لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث لازمی علم حاصل ہونے اور اس پر عمل واجب ہونے کے اعتبار سے کتاب اللہ کا رتبہ رکھتی ہے کیوں کہ جس نے آپ ﷺ کی اطاعت کی بلاشبہ اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ (أصول الشاشي مع أحسن الحواشي، ص: ٢١٨)

آپ مزید لکھتے ہیں کہ شرعی احکام میں حدیث رسول پر عمل کرنا واجب ہے بہ شرط کہ اس کا ہر راوی مسلمان، عادل، ضابط اور عاقل ہو اور یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے متصل سند کے ساتھ تم تک پہنچی ہو۔ ایسی خبرِ واحد، متواتر حدیث کی طرح موجبِ علمِ یقینی ہوتی ہے۔

(أصول الشاشي مع أحسن الحواشي، ص: ٧٤)

أصول الشاشي کے محشی ایسی حدیث کے بارے میں محدثین کا مذہب ذکر کرتے ہیں کہ احمد بن حنبل اور اکثر محدثین کا مذہب یہ ہے کہ یہ موجبِ علمِ یقینی ہوتی ہے۔ (أصول الشاشي مع أحسن الحواشي، ص: ٧٤، حاشيه: ١٣)

اس کی وضاحت کے لیے محشی لکھتے ہیں:

"ووجوب العمل إنما يثبت بشرط إسلام الراوي وعدالته وضبطه وعقله وغيرها، فلا يجب العمل بخبر الكافر الفاسق، وكذا لا يجب العمل بخبر الصبي والمعتوه لفقدان الشروط، ولا يجب العمل بخبر الذي اشتدت غفلته بأن كان سهوه ونسيانه أغلب من حفظه." (أصول الشاشي مع أحسن الحواشي، ص: ٧٤ حاشيه: ١٣)

''اور (خبر واحد پر) عمل کا واجب ہونا راوی کے اسلام، عدالت، ضبط اور عقل وغیرہ کے ساتھ مشروط ہے۔ کافر اور فاسق کی خبر پر عمل کرنا واجب نہیں ہے۔ اور ایسے ہی بچے اور پاگل و مدہوش کی خبر پر فقدانِ شروط کی وجہ سے عمل کرنا واجب نہیں ہے۔ اور ایسے ہی وہ شخص جس میں غفلت کی کثرت پائی جاتی ہو کہ اس کے حافظے پر اُس کا سہو ونسیان غالب ہو، اس کی خبر واجب العمل نہیں ہوگی۔''

جیسا کہ أصول شاشي میں ہے کہ شرعی احکام میں مسلم، عادل، ضابط اور عاقل کی روایت کردہ متصل الاسناد خبر واحد پر عمل واجب ہے کیوں کہ ایسی خبرِ واحد مفیدِ علم ہوتی ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"الخبر الذي تلقاه الأمة بالقبول تصديقا له أو عملا بموجبه يفيد العلم عند جماهير الخلف والسلف." (مجموع فتاوىٰ شيخ الإسلام ابن تيمية: ١٨ / ٤٨)

''امت نے جس حدیث کی تصدیق کرتے ہوئے یا اس کے واجب کردہ (احکام) پر عمل کرتے ہوئے اسے شرفِ قبولیت بخشا ہو وہ جمہور خلف وسلف کے ہاں مفیدِ علم ہوتی ہے۔''

آپ مزید لکھتے ہیں:

"أكثر متون الصحيحين معلومة متقنة تلقاها أهل العلم بالحديث بالقبول والتصديق

وأجـمعوا على صحتها، وإجماعهم معصوم مـن الـخـطـأ، كـمـا أن إجماع الفقهاء على الأحكام معصوم من الخطأ." (مجموع فتاویٰ شيخ الإسلام ابن تيمية: ۱۸/ ۴۹)

''صحیحین کے اکثر متون معلوم ومتقن ہیں جنھیں حدیث کا علم رکھنے والوں نے قبول کیا اوران (متون) کی تصدیق کی اور ان (متون) کی صحت پر اجماع کیا ہے۔ اوران (محدثین) کا اجماع خطا سے اسی طرح محفوظ ہے جس طرح فقہاء کا احکام پر اجماع خطا سے محفوظ ہے۔''

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس تصدیق کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں: "((إنـمـا الأعمال بالنيات)) ان احادیث میں سے ہے جنھیں اہل علم نے شرفِ قبول بخشا اور اس کی تصدیق کی حالانکہ یہ حدیث اپنے اصل کے اعتبار سے متواتر نہیں ہے بلکہ صحیح بخاری کی غریب حدیثوں میں سے ہے لیکن جب امت نے اسے شرفِ قبول بخشا اور اس کی تصدیق کی تو اس کی صحت قطعی ہوگئی۔ سنن میں کئی احادیث ایسی ہیں جنھیں امت نے قبول کیا اوران کی تصدیق کی ہے جیسے آپ ﷺ کی حدیث ((لا وصية لـوارث)) ہے، یہ ان احادیث میں سے ہے جنھیں امت نے قبول کیا اوراسے واجب العمل سمجھا حالانکہ یہ سنن میں ہے، صحیح بخاری یا مسلم میں نہیں ہے۔'' (مـجـمـوع فـتـاویٰ شيخ الإسـلام ابن تيمية: ۱۸/ ۴۹، ۵۰)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی حدیث کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے رواۃ کی کثرت شرط نہیں بلکہ رواۃ میں عدل وضبط، عقل و اِسلام اور اِتصالِ سند شرط ہے جیسا کہ اس سے پہلے صاحبِ أصول الشاشي کا اس بارے میں قول ذکر کیا گیا ہے۔

موجبِ عمل مجموعہ ہائے سنن

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحت وشہرت کے اعتبار سے کتبِ حدیث کے چار طبقے ہیں۔

اعلیٰ درجے کی وہ حدیث ہے جس کا ثبوت متواتر اور اس کے قبول وعمل پر اجماع ہو۔ اس کے بعد وہ حدیث ہے جس کے طرق اس قدر ہوں کہ شبہ معتد بہ نہ رہے۔ جمہور فقہاء کا اس پر عمل ہو یا کم ازکم علمائے حرمین کا تو اِس میں خاص طور پر اختلاف نہ ہو کیوں کہ حرمین شریفین قرونِ اولیٰ میں خلفائے راشدین کا مستقر اور وقتاً فوقتاً اہل علم کی ایک جماعت کا مرکز رہے ہیں، اس لیے ان سے ظاہری خطا کا صادر ہونا بعید ہے۔ یا یہ کہ وہ قول اس قدر مشہور ہو کہ صحابہ و تابعین سے نقل کر کے ایک بڑا ملک اس پر عمل پیرا رہا ہو۔

اس کے بعد وہ حدیث ہے جو بہ سند صحیح یا حسن علمائے حدیث کی شہادت سے مروی ہو اور وہ سلف میں بالکل متروک نہ ہو کہ امت میں سے کسی نے بھی اس پر عمل نہ کیا ہو۔ لیکن ضعیف، منقطع، مقلوب سند والی، مقلوب متن والی، مجہول راویوں کی روایت کردہ یا ہر دور میں ہونے والے اجماعِ سلف کے خلاف آنے والی روایت کو لینے کی کوئی راہ نہیں ہے۔

طبقہ اولیٰ کے لیے دو شرطیں ہیں: ۱۔ اعلیٰ صحت، ۲۔ اعلیٰ شہرت۔

اس میں صحت کا مطلب یہ ہے کہ مصنف کا التزام ہی صحیح یا حسن روایت لانے کا ہو۔ ضعیف، مقلوب اور شاذ نہیں لائے گا۔ اگر لائے گا تو اس کی حالت بیان کرے گا کیوں کہ ضعیف کو اس کا ضعف ذکر کر کے کتاب میں وارد کرنا قادح نہیں ہے۔

شہرت سے مراد یہ ہے کہ احادیث مرویہ، تدوین کتاب سے قبل یا بعد، محدثین میں متداول ہوں۔ قبل از تدوین امامانِ فن نے طرق متعددہ سے انھیں روایت کیا ہو اور اپنی مسانید و جوامع میں لائے ہوں۔ تصنیف کتاب کے بعد اس کے حمل ونقل، حفظ و ضبط، حل مشکلات، شرح مقامات غریبہ، بیان اعراب، تخریج طرق، استنباط مسائل، شواہد ومتابعات کی تلاش اور رُواۃِ حدیث پر بحث ونقد کرنے میں اہلِ علم ہر دور میں اس کی خدمت میں مصروف رہے ہوں، خدمت بھی ایسی کہ اس کا کوئی گوشہ تشنہ تحقیق نہ رہا ہو، الا ماشاء اللہ۔

ناقدینِ فنِ حدیث مصنف سے قبل اور اس کے بعد اس کے

موافق اورصحتِ حدیث میں اس کے ہم نوا ہوں۔مؤلف کی رائے ان میں بہ نگاہِ پسندیدگی دیکھی جائے، وہ اس کتاب کی مدح وثنا کریں۔ استخراجِ مسائل میں وہ فقہاء کا مرجع اور معتمد علیہ ہو اور عوام کے دلوں میں اس کا اعتقاد اورعزت وعظمت جاگزیں ہو۔

حاصل کلام یہ کہ جس کتاب میں یہ دوشرطیں پائی جائیں وہ طبقہ اولیٰ سے ہے۔انھیں شرطوں کی کمی وبیشی سے مختلف طبقات بنتے چلے جائیں گے۔جس کتاب سے دونوں شروط مفقود ہوں وہ ساقط الاعتبار ہے۔

پھر طبقہ اولیٰ سے اعلیٰ قسم متواتر ہے، پھر جو اِس سے دوسرے درجے پر ہو وہ دوسری قسم ہے۔

طبقہ اولیٰ:

استقرائی طور پر طبقہ اولیٰ صرف موطأ، صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں منحصر ہے۔

موطأ امام مالک:

شافعی نے کہا ہے کہ کتاب اللہ کے بعد سب سے صحیح کتاب موطأ مالک ہے۔ائمۂ حدیث کا اس پر اتفاق ہے کہ موطأ کی جملہ مشمولات دیکھیے امام مالک اور ان سے موافقت رکھنے والوں کے ہاں صحیح ہیں۔ اور جو لوگ آپ کے ہم نوا نہیں ہیں وہ بھی اس قدر ضرور مانتے ہیں کہ اس میں کوئی ایسی مرسل و منقطع نہیں ہے جسے دوسرے طرق سے متصل السند نہ کیا گیا ہو، بلاشبہ اس حیثیت سے یہ بھی صحیح ہیں۔

(حجة الله البالغة: ١/ ١٣٣، ١٣٤)

موطأ کی شہرت و قبولیت کا یہ عالم ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے زمانے میں اس کی تخریج اور وصلِ منقطع میں کئی موطأ تصنیف ہوگئے جیسے کتاب ابن ابی ذئب، ابن عیینہ، ثوری اور معمر وغیرہ۔ ان کے علاوہ کچھ ایسے لوگوں نے بھی موطأ تالیف کیے جو امام مالک کے استاد بھائی تھے۔امام مالک سے بلاواسطہ ایک ہزار سے زائد اشخاص نے موطأ کا سماع کیا۔اس کی تحصیل میں لوگوں نے دور دراز شہروں سے سفر کیے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیث میں ذکر کیا۔

(حجة الله البالغة: ١/ ١٣٣)

آپ کے پاس آنے والے اشخاص میں شافعی، محمد بن حسن، ابن وہب اور ابن قاسم جیسے فقہاء شامل ہیں۔جلیل الشان محدثین میں یحییٰ بن سعید القطان، عبدالرحمان بن مہدی اور عبدالرزاق جیسے علمائے دہر شامل ہیں۔ اور بادشاہوں میں سے ہارون الرشید اور اس کے دونوں بیٹے آستانۂ مالک پر زانوئے تلمذ تہ کرتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ امام مالک کے زمانے میں ہی چار دانگ عالم میں موطأ کی شہرت کا ڈنکا بج چکا تھا۔اس کے بعد اس کی شہرت ومقبولیت میں دن بہ دن ترقی ہوتی گئی۔فقہائے امصار نے، حتی کہ اہلِ عراق نے بھی اپنے بعض امور میں اس پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھی اور اس کے خوشہ چیں رہے۔ علماء ہمیشہ اس کی احادیث کی تخریج اور اس کے متابعات و شواہد کا تذکرہ کرتے رہے، اس کے غریب الفاظ کی شرحیں اور اس کے مشکل الفاظ ضبط کرتے رہے، اس کی فقہ پر بحث اور اس کے رجال کی تفتیش کرتے رہے یہاں تک کہ اسے بامِ عروج تک پہنچا دیا۔(حجة الله البالغة: ١/ ١٣٣)

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں:

”اگر آپ خالص حق چاہتے ہیں تو محمد کی کتاب الآثار اور ابو یوسف کی کتاب الأمالي سے موطأ کا مقابلہ کر دیکھیے، آپ کو موطأ اور ان دونوں کے مابین بعد المشرقین نظر آئے گا۔کسی محدث یا فقیہ سے ان دونوں پر توجہ اور اعتنا منقول نہیں ہے۔“(حجة الله البالغة: ١/ ١٣٤)

صحیحین:

محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ صحیحین میں جو کچھ متصل مرفوع ہے قطعی طور پر صحیح ہے اور ان کی سند ان کے مصنفین تک بہ تواتر پہنچ چکی ہے اور جو شخص انھیں بہ نظرِ حقارت دیکھے وہ بدعتی ہے اور مومنین کے راستے سے بھٹکا ہوا ہے۔ ان دونوں کا موازنہ کتاب ابن ابی شیبہ، کتاب الطحاوی اور مسندِ خوارزمی وغیرہ سے کرنے پر صحیحین اور ان کے درمیان مشرق ومغرب کی سی دوری نظر آئے گی۔

(حجة الله البالغة: ١/ ١٣٤)

شاہ ولی اللہ کے مندرجہ بالا تبصرے سے معلوم ہوا کہ موطأ امام مالک کی جملہ مشمولات اور صحیحین کی تمام متصل مرفوع احادیث بالکل صحیح اور قابلِ حجت ہیں، لہٰذا اُن پر عمل کرنا واجب ہے، ان احادیث پر اعتراض کرنے والا بدعتی اور حق سے منحرف ہے۔

طبقہ ثانیہ:

طبقہ ثانیہ میں وہ کتب آتی ہیں جو موطأ اور صحیحین کے پائے کی تو نہیں لیکن وہ ان کے بعد کا رتبہ رکھتی ہیں۔ ان کے مصنّفین ثقاہت و عدالت، حفظ اور فنونِ حدیث میں تبحر کی شہرت رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنی ان کتب میں اپنی عائد کردہ شروط میں تساہل نہیں کیا۔ ان کے بعد آنے والے ہر طبقے کے فقہاء و محدثین نے انھیں شرفِ قبول بخشا اور ان کتابوں نے لوگوں میں شہرت پائی اور فقہاء و محدثین نے ان کے غریب الفاظ کی شرحیں لکھیں، ان کے رجال کی تلاش و کرید کی اور ان سے فقہی مسائل کا استنباط کیا اور یہ احادیث عام علوم کی بنیاد ٹھہریں جیسے سنن ابی داود، جامع ترمذی اور مجتبیٰ نسائی۔ یہ کتب پہلے طبقے کے قریب قریب ہیں۔ ان کتب کی احادیث کا امام رزین نے تجرید الصحاح میں اور ابن اثیر نے جامع الاصول میں اہتمام واعتنا کیا۔ اور مسند احمد بھی اس طبقے کے قریب قریب ہے کیوں کہ امام احمد نے اسے صحیح و سقیم احادیث کی پہچان کے لیے اصل قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ جو اِس میں نہ ہو اُسے قبول نہ کرو۔

(حجة الله البالغة: ١/ ١٣٤)

مندرجہ بالا کتب میں بعض ضعیف احادیث بھی موجود ہیں اور ان مصنّفین نے اکثر کے ضعف کو واضح کر دیا ہے، اس لیے جو حدیث صحت کے معیار پر پورا اُترتی ہو، خواہ وہ کسی بھی مجموعہ احادیث میں موجود ہو، اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ شاہ ولی اللہ کے نزدیک موجب عمل مجموعہ ہائے کتب حدیث مندرجہ بالا دو طبقات پر مشتمل ہیں۔

طبقہ ثالثہ:

باقی رہا کتب حدیث کا تیسرا طبقہ تو اس کی کوئی حدیث بلا تحقیق واجب العمل نہیں ٹھہرتی کیوں کہ جب کوئی حدیث بہ سند صحیح رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو تب اس پر عمل کرنا واجب ٹھہرتا ہے۔

محدثین اور اُصولیوں کے درمیان اختلاف کا سبب:

اس اختلاف کا اصل سبب یہ ہے کہ اُصولیوں نے اول و دوم درجے کی کتبِ حدیث پر توجہ دینے کی بجائے درجہ سوم کی کتبِ حدیث میں درج شدہ احادیث کو اپنی کتب کی زینت بنا دیا جس سے صحیح و سقیم میں تصادم کے سبب بہت سارے اختلافات نے جنم لیا۔

درجہ سوم کی کتبِ حدیث کے بارے میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ تیسرے طبقے میں بخاری و مسلم سے قبل، ان کے زمانے میں اور ان کے بعد تصنیف کی جانے والی مسانید، جوامع اور مصنفات ہیں جن میں صحیح، حسن، ضعیف، معروف، غریب، شاذ، منکر، خطا، صواب، ثابت اور مقلوب ہر قسم کی احادیث جمع کر دی گئی ہیں۔

(حجة الله البالغة: ١/ ١٣٤)

اس بارے میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ولم يتداول ماتفردت به الفقهاء كثير تداول، ولم تفحص عن صحتها وسقمها المحدثون كثير فحص، ومنه مالم يخد مه لغوي لشرح غريب، ولا فقيه بتطبيقه بمذاهب السلف، ولا محدث ببيان مشكله ولا مؤرخ بذكر أسماء رجاله، ولا أريد المتأخرين المتعمقين. وإنما كلامي في الأئمة المتقدمين من أهل الحديث فهي باقية على استنار ها واختفائها وخمولها كمسند أبي يعلىٰ و مصنف عبدالرزاق ومصنف أبي بكر بن أبي شيبة ومسند عبد بن حميد والطيالسي وكتب البيهقي والطحاوي والطبراني وكان قصدهم جمع ما وجدوه لا تلخيصه وتهذيبه و تقريبه من العمل." (حجة الله البالغة: ١/ ١٣٤، ١٣٥)

"جو حدیثیں فقہاء کے پاس ہیں وہ زیادہ متداول نہ ہو سکیں

اور نہ ہی محدثین نے ان کی صحت اور ضعف کے بارے میں زیادہ چھان پھٹک کی، کسی لغوی نے اس کے غریب الفاظ کی تشریح نہ کی اور نہ ہی کسی فقیہ نے اسے مذاہبِ سلف کے ساتھ تطبیق دینے کی کوشش کی اور نہ ہی کسی محدث نے اس کے مشکل الفاظ کو واضح کیا، نہ کسی مورّخ نے اس کے رجال کے نام ذکر کیے۔ ان محدثین سے میری مراد گہرائی تک پہنچنے والے متأخرین نہیں ہیں، میری گفتگو متقدمین ائمہ اہل حدیث کے بارے میں ہے۔ یہ احادیث ابھی تک اپنی گم نامی اور اِخفا دور کرنے کی منتظر ہیں جیسے مسند ابی یعلیٰ الموصلی، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ، مسند عبد بن حمید، مسند ابی داود طیالسی، کتبِ بیہقی، کتب طحاوی اور کتبِ طبرانی ہیں۔ ان کے مصنّفین کا مقصد اس تمام مواد کو جمع کرنا تھا جو کچھ انھیں اس کی تلخیص وتہذیب اور اسے عمل کے قریب کرنا ان کا مقصد نہ تھا۔''

بعض فقہی اصولوں کی بنیاد ٹھہرنے والی احادیث کی حالت:

نظام الدین شاشی ایک فقہی اصول یوں ذکر کرتے ہیں:

"شرط العمل بخبر الواحد أن لا يكون مخالفا للكتاب والسنة المشهورة وأن لا يكون مخالفا للظاهر." (أصول الشاشي، ص: ٧٦)

''خبر واحد پر عمل کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنتِ مشہورہ کے خلاف نہ ہو اور نہ ہی ظاہر کے خلاف ہو۔''

شاشی نے اس اصول کی بنیاد درج ذیل حدیث پر رکھی ہے:

"قال عليه السلام: ((تكثر لكم الأحاديث بعدي فإذا روي لكم عني حديث فاعرضوه على كتاب الله فما وافق فاقبلوه وماخالف فردوه.))" (أصول الشاشي، ص: ٧٦)

نبی ﷺ نے فرمایا: ''میرے بعد تمھارے سامنے بہت سی احادیث آئیں گی، لہٰذا جب میری طرف سے کوئی حدیث تمھارے لیے روایت کی جائے تو اسے کتاب اللہ پر پیش کرو، جو کتاب اللہ کے موافق ہو اُسے قبول کرو اور جو مخالف ہو اُسے رد کر دو۔''

اصولِ محدثین کی روشنی میں اس کا جائزہ:

فقہی اصول کی بنیاد ٹھہرنے والی اس حدیث کا اُصولِ محدثین کی روشنی میں جائزہ لیا جائے تو درج ذیل صورت حال سامنے آتی ہے:

۱: اپنے اصول کی تائید میں پیش کردہ شاشی کی یہ حدیث ان کے اپنے بیان کردہ اصول کے خلاف ہے کیوں کہ کتاب اللہ میں یہ آیت موجود ہے:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ [الحشر: ۷]

اس آیت میں آپ ﷺ کے اوامر ونواہی کو ماننے کا حکم دیا گیا ہے اور اس امر ونہی کو کتاب اللہ پر پیش کرنے کی مذکورہ بالا حدیث اس آیت کے خلاف ٹھہری۔

اور ایک قوم نے حدیث ((فاعرضوه على كتاب الله ...... إلخ)) کو کتاب اللہ کے معارض قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم نے اس حدیث کو اللہ کی کتاب پر پیش کیا تو ہم نے اس میں یہ آیت پائی:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ [الحشر: ۷]

(حصول المأمول، ص: ۳۸، ۳۹)

۲: یہ حدیث انتہائی ضعیف بلکہ بہ قول بعض موضوع ومن گھڑت ہے۔ نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں:

''یحییٰ بن معین نے کہا کہ یہ حدیث بناوٹی ہے جسے زندیقوں نے گھڑا ہے اور عبدالرحمٰن بن مہدی (م۱۹۸ھ) نے کہا کہ خارجیوں نے یہ حدیث گھڑی ہے کہ میری جو حدیث تمھیں پہنچے اسے کتاب اللہ پر پیش کرو...... الخ''

(حصول المأمول، ص: ۳۸)

اس کے بارے میں أصولِ الشاشي کے محشی لکھتے ہیں:
"فإن قيل هذا الحديث طعنوا فيه وقالوا راوي هذا الحديث يزيد بن ربيعة وهو مجهول فلا يصح الاحتجاج به و أيضا حكي عن يحيى بن معين أنه قال: هذا حديث وضعه الزنادقة. وهو أعلم هذه الأمة في علم الحديث. قيل: إن الإمام محمد بن إسماعيل البخاري أورد هذا الحديث في كتابه وهو إمام أهل هذه الصنعة فكفى به دليلا على صحته كذا في المعدن." (أصول الشاشي، ص: ٧٦، حاشیہ نمبر:٢)

''اگر یہ کہا جائے کہ لوگوں نے اس حدیث میں نقد کیا ہے اور (ناقدین نے) کہا ہے کہ اس حدیث کا راوی یزید بن ربیعہ مجہول ہے، اس لیے اس کا قابلِ حجت ہونا صحیح نہیں ہے۔ اور یحییٰ بن معین سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: اس حدیث کو زندیقوں نے گھڑا ہے۔ اور یحییٰ بن معین اس امت میں سب سے زیادہ علمِ حدیث کے جاننے والے ہیں۔ (محشی لکھتے ہیں کہ) ایسے لوگوں کو جواب دیا جائے گا کہ امام محمد بن اسماعیل بخاری نے یہ حدیث اپنی کتاب میں وارد کی ہے اور وہ اس فن کے امام ہیں، لہٰذا اِس حدیث کی صحت پر یہی دلیل کافی ہے، جیسا کہ المعدن میں ہے۔''

محشی اصول الشاشی نے اس حدیث پر یحییٰ بن معین کی جرح نقل کرنے کے بعد جو اس حدیث کی نسبت امام بخاری کی طرف کی ہے یہ نسبت بلا دلیل ہے اور اس بات کی تحقیق نہیں کی گئی کہ امام بخاری نے اس راوی سے یہ حدیث کس کتاب میں تخریج کی ہے۔ [1]

راوی کے بارے میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ یزید بن ربیعہ رجبی دمشقی جس کی کنیت ابو کامل ہے، یہ ابو الاشعث صنعانی سے روایت کرتا ہے۔ اس کے بارے میں امام بخاری نے کہا ہے کہ اس کی حدیثیں منکر ہوتی ہیں۔ ابوحاتم وغیرہ نے کہا کہ یہ ضعیف ہے۔ نسائی نے کہا کہ یہ متروک ہے۔ (لسان الميزان: ٦/ ٢٨٦)

ابن حجر مزید لکھتے ہیں کہ جوزجانی نے کہا کہ مجھے اس کی روایت کی ہوئی حدیثوں کے موضوع ہونے کا خوف ہے۔

(لسان الميزان: ٦/ ٢٨٦)

ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ یہ یزید بن ربیعہ مجہول ہے۔ (لسان الميزان: ٦/ ٢٨٦)

جرح وتعدیل کے امام ابو حاتم رازی یزید بن ربیعہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس کی روایت کی ہوئی حدیث ضعیف، منکر اور کمزور ہوتی ہے۔ (الجرح والتعديل: ٤/ ٢٦١)

ابوحاتم نے مزید کہا کہ اس کے ابو اشعث عن ثوبان سے روایت کرنے میں بہت اختلاط پایا جاتا ہے۔

(الجرح والتعديل: ٤/ ٢٦١)

سرخسی (م٤٩٠ھ) اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:
"وما روي عن قوله عليه السلام: ((فاعرضوه على كتاب الله)) فقد قيل: هذاالحديث لا يكاد يصح لأن هذاالحديث بعينه مخالف لكتاب الله تعالىٰ، فإن في الكتاب فرضية اتباعه مطلقا، وفي هذاالحديث فرضية اتباعه مقيدا بأن لا يكون مخالفالما يتلى في الكتاب ظاهرا." (أصول السرخسي: ٢/ ٧٦)

[1] اس روایت کے بارے میں تفصیلی گفتگو گزشتہ شمارے (شمارہ نمبر:٢٩) میں شامل اشاعت ''جرعات'' میں کی گئی ہے، شائقین اسے بھی ایک نظر دیکھ لیں۔ اور جو محشی اصول الشاشی نے امام بخاری کی طرف اس حدیث کی تخریج کی بابت نسبت کی ہے، بالکل قابل اعتنا نہیں ہے اور حقائق کے بھی خلاف ہے۔ دراصل یہ بات علامہ عبدالعزیز حنفی بخاری نے اپنی کتاب ''کشف الأسرار'' میں کہی ہے اور ان سے تفتازانی نے نقل کی اور آگے محشی اصول الشاشی نے، یوں نقل درنقل یہ سلسلہ چلتا ہوا یہاں تک آ پہنچا۔ (ادارہ)

''اور جو نبی علیہ السلام کی یہ حدیث ((إذا روي لكم عني حديث فاعرضوه على كتاب الله)) روایت کی گئی ہے اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہوسکتی کیوں کہ یہ حدیث بہ ذاتِ خود اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مخالف ہے۔ مخالف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کتاب اللہ میں نبی ﷺ کی اتباع مطلقاً فرض کی گئی ہے جب کہ اس حدیث میں آپ ﷺ کی اتباع کی فرضیت کو یوں مقید کردیا کہ آپ ﷺ کا حکم قرآن میں پڑھی جانے والی آیات کے ظاہر کے خلاف نہ ہو۔''

کتاب اللہ اور سنت رسول میں تناقض نہ ہونے کے بارے میں سرخسی لکھتے ہیں:

''بے شک سنتِ رسول حکمِ شرع ثابت کرنے کے لیے حجت شرعیہ کی ایک قسم ہے اور کتاب اللہ بھی ایسی ہی شرعی حجت ہے۔ اور شرعی حِجج ایک دوسرے کے متناقض نہیں ہوتیں، یہ تو آپس میں مل کر تقویت حاصل کرتی ہیں کیوں کہ تناقض کے نتیجے میں لوگ انھیں قبول کرنے سے نفرت کریں گے اور اس سے لوگوں کو یہ دلیل مل جائے گی کہ حِجج شرعیہ، یعنی کتاب وسنت اللہ کی طرف سے نازل شدہ نہیں ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ [النساء: ۸۲]

''اگر یہ (قرآن) من جانب غیر اللہ ہوتا تو وہ اس میں بہت زیادہ تضاد پاتے۔''

اس سے ثابت ہوا کہ ان دونوں قسموں (قرآن وسنت) کو ایک دوسرے کی تائید حاصل ہے اور ان دونوں قسموں کے مابین تناقض ناممکن ہے۔''

(أصول السرخسي: ۲/ ۶۸،۶۹)



مولانا عبدالغنی جھنگڑوی رحمہ اللہ

سیّد کلیم حسین شاہ، متعلّم جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ

مولانا عبدالغنی رحمہ اللہ جھنگڑہ (ضلع ہری پور) میں پیدا ہوئے۔ والد محترم کا نام میاں غلام احمد تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے ماموں اور علاقے کے مختلف حنفی علماء سے حاصل کی۔ بعد ازاں ہندوستان کے مختلف مدارس میں زیر تعلیم رہے اور اٹھارہ سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند میں مولانا شبیر احمد عثمانی سے حدیث پڑھی۔ وہاں سے فراغت کے بعد شیخ الکل فی الکل مولانا سیّد نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کی دعوت اور شخصیت سے متاثر ہوکر مسلک اہل حدیث اختیار کرلیا۔

مروجہ دینی تعلیم سے فراغت کے بعد منڈی صادق گنج (ضلع بہاول نگر) میں مولانا عبدالرحیم غزنوی رحمہ اللہ کے مدرسے میں پڑھانا شروع کیا، پھر کچھ عرصہ اوڈاں والا میں تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اس کے بعد مولانا میاں محمد باقر رحمہ اللہ کے مدرسے جھوک دادو میں تدریسی ذمہ داری ادا کرتے رہے۔ بعد ازاں اپنے آبائی گاؤں جھنگڑہ میں واپس آگئے اور یہاں دعوت وتبلیغ کا کام زور وشور سے شروع کردیا۔ اس دور میں قرب وجوار میں جمعہ وغیرہ کا اہتمام نہیں تھا۔ مولانا عبدالغنی رحمہ اللہ نے جمعہ کی فرضیت کا اعلان کرکے اپنی آبائی زمین میں اپنی دعوت سے اہل حدیث ہونے والوں کو جمع کرکے باقاعدہ کی نماز شروع کردی۔

مولانا عبدالسلام سلفی ہزاروی حفظہ اللہ مولانا عبدالغنی رحمہ اللہ کی اہلیہ، یعنی اپنی خالہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

”جب مولانا عبدالغنی رحمہ اللہ نے اپنے گاؤں میں قرآن وسنت کی تبلیغ کا کام شروع کیا تو پورے گاؤں کے لوگ ان کے مخالف ہوگئے۔ انھوں نے مولانا رحمہ اللہ کے خلاف ایبٹ آباد کی انگریزی عدالت میں شکایت کردی کہ ہمارے گاؤں میں ایک آدمی فتنہ وفساد اور منافرت پھیلا رہا ہے۔ اس شکایت کے نتیجے میں عدالت نے مولانا اور ان کے مخالف سرکردہ لوگوں کو طلب کرلیا اور مولانا کے خلاف جو الزامات لگائے گئے تھے وہ ان کو سنائے۔ مولانا عبدالغنی رحمہ اللہ نے انگریز جسٹس کو بتایا کہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارے مسلمانوں کو دینی تعلیمات سے واقفیت نہیں ہے۔ میں نے دینی اداروں میں تعلیم حاصل کرکے اپنے گاؤں کے لوگوں کو صحیح دینی تعلیم سے روشناس کرانے کی کوششیں شروع کیں تو یہ لوگ میرے مخالف ہو گئے اور کہنے لگے کہ جو کچھ تم پیش کررہے ہو یہ ہمارے آباء واجداد کے عقائد ونظریات کے خلاف ہے۔

بہرحال مولانا عبدالغنی رحمہ اللہ نے اپنا کیس موثر انداز سے پیش کیا جس سے انگریز مجسٹریٹ ساری صورتِ حال کو سمجھ گیا۔ اس نے مولانا سے پوچھا کہ اب آپ کیا چاہتے ہیں؟ مولانا نے کہا کہ میں زمین کا ایک ٹکڑا چاہتا ہوں جس پر میں اپنے دین کے بنیادی ارکان لوگوں تک پہنچا سکوں، چنانچہ مجسٹریٹ کہنے لگا: اس جگہ کی نشان دہی کرو۔ مولانا رحمہ اللہ نے گاؤں کے قریب مُہری نامی مقام پر زمین حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ مجسٹریٹ نے انھی مخالفین کو کہا کہ جس جگہ پر یہ زمین چاہتے ہیں انھیں مہیا کرو۔ اس فیصلے کی روشنی میں مخالفین نے مولانا رحمہ اللہ کو زمین کا ایک مختصر سا قطعہ دے دیا جس پر انھوں نے بیٹھ کر قرآن وسنت کی دعوت کا کام شروع کیا اور ساتھ ہی جمعہ کا آغاز بھی کیا۔ یاد رہے کہ اس سے پہلے وہ اپنی آبائی زمین پر اپنے قریبی رشتہ داروں اور اِکا دُکا ہم خیال لوگوں کے ساتھ جمعہ پڑھتے تھے۔“

مولانا عبدالغنی رحمہ اللہ خود چمڑے کی تجارت کرتے تھے۔ انھوں نے اپنی دکان پر کاروبار کے ساتھ ساتھ لوگوں کو پڑھانا بھی شروع کردیا۔ کشکہ، پنج گراں وغیرہ کے سادات خاندان سے تعلق رکھنے والے لوگوں

نے مولانا سے تعلیم حاصل کرنا شروع کی اور بعض لوگ اہل حدیث بھی ہوگئے۔ ان میں ایک یعقوب شاہ صاحب تھے جو بعد میں پنج گراں سے سرگودھا منتقل ہوگئے۔ یعقوب شاہ صاحب کے ایک بھائی طالب شاہ صاحب تھے، انھوں نے مولانا عبدالغنی رحمہ اللہ کے ہاتھوں مسلک حق قبول کیا اور اپنا نام عبدالمنان شاہ رکھا، پھر یہ ماناں والا چلے گئے۔

مولانا عبدالغنی رحمہ اللہ نے اپنی دعوت میں حکمت عملی اختیار کی اور جھنگڑہ کی بااثر برادریاں جو مولانا رحمہ اللہ کی مخالف تھیں، ان میں سے کچھ آدمیوں کو اپنی طرف راغب کیا اور ان کو تعلیم دینی شروع کی جن میں مولانا محمد عبداللہ اور مولانا فیروز دین، جو مولانا حافظ محمد اسماعیل ذبیح سے قبل مرکزی جامع مسجد اہل حدیث راولپنڈی میں خطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے، شامل ہیں۔ ان دونوں کو تعلیم دینے کے نتیجے میں گاؤں میں مخالفت کم ہوگئی۔

مولانا عبدالغنی رحمہ اللہ کا گاؤں میں ایک کاروباری دوست میلا سنگھ تھا جس سے جگہ خرید کر انھوں نے ایک مسجد بنائی اور باقاعدہ جمعہ شروع کردیا۔ انھی حالات میں ملک تقسیم ہوگیا۔ تقسیم کے بعد مولانا عبدالغنی رحمہ اللہ نے مولانا عبداللہ رحمہ اللہ کو حکم دیا کہ کوئی متروکہ جگہ حاصل کرو۔ وہاں مولانا رحمہ اللہ نے مدرسہ اشاعۃ الاسلام کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس کے قیام کی وجہ یہ تھی کہ جب ۱۹۴۸ء میں راولپنڈی کی جماعت مرکزی جامع مسجد اہل حدیث میں تعلیم کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکی تو مولانا عبدالغنی رحمہ اللہ نے اسی سلسلے کو جھنگڑہ میں اشاعۃ الاسلام کے نام سے آگے بڑھایا۔

۱۹۵۱ء میں مولانا عبدالغنی رحمہ اللہ نے وفات پائی اور مدرسے کی نظامت مولانا عبداللہ رحمہ اللہ کے زمامِ اختیار میں آگئی۔

۱۹۵۳ء میں یہی ادارہ مولانا محمد اسماعیل ذبیح رحمہ اللہ راولپنڈی لے آئے۔

مولانا عبدالغنی رحمہ اللہ کا جنازہ مولانا حافظ محمد اسماعیل ذبیح رحمہ اللہ نے پڑھایا تھا۔ حافظ ذبیح رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ اتنا بڑا جنازہ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ جنازے کے بعد اتنی تعداد نہیں تھی جتنی جنازے کے وقت محسوس ہوئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کے جنازے میں فرشتے بھی شامل تھے۔

مولانا عبدالغنی رحمہ اللہ اولادِ نرینہ سے محروم تھے۔ ان کے ایک بھائی عبداللطیف رحمہ اللہ تھے جن کے تین بیٹے؛ مولانا حکیم محمد اسحاق برق (حویلیاں)، مولانا عبدالرءوف (فیصل آباد) اور مولانا عبدالقدوس ہزاروی (منڈی چشتیاں) معروف علماء میں سے ہیں۔

صبح آزادی

موج طوفاں کے مقابل نظر آتی ہے مجھے
ہر طرف عشرتِ ساحل نظر آتی ہے مجھے
کامیابی سرِ منزل نظر آتی ہے مجھے
صبحِ آزادیِ کامل نظر آتی ہے مجھے

اب دھندلکے نہ اندھیرے ہیں نہ تنہائی ہے
مطلعِ نور ہے اور انجمن آرائی ہے
اب نہ خوابیدگیِ شوق نہ افسردہ دلی
خس و خاشاک میں بھی روحِ عمل جاگ اٹھی

کس قدر شوخ ہے اندازِ نسیمِ سحری
پھول کچھ کہنے ہی والے تھے کلی بول پڑی
فکر گلچیں ہے نہ اندیشۂ صیاد ہمیں
وقت نے کی ہے عطا قسمتِ آزاد ہمیں

روش افلاک پہ ذرات نے ڈالی ہے کمند
پستیاں ہوگئیں بس ایک اشارے میں بلند

(ماہرالقادری)